# فروغِ مرثیہ

سہ ماہی

کینیڈا

(سترھواں شمارہ)

پانچواں سال

اگست ۲۰۲۴ء بمطابق محرم الحرام ۱۴۴۶ھ

ایڈیٹر

اصغر مہدی اشعر

اِس شمارے میں شامل مضامین، تنقیدی رائے یا شعری وفکری خیال سے اِدارے کا متفق ہونا ضروری نہیں

ادارے کی تینتیسویں پیش کش

سہ ماہی

کینیڈا

# فروغِ مرثیہ

اگست ۲۰۲۴ء بمطابق محرم الحرام ۱۴۴۶ھ

ایڈیٹر

اصغر مہدی اشعر

جملہ حقوق بحقِ فروغِ مرثیہ انٹرنیشنل محفوظ ہیں


| | | |
|---|---|---|
| عنوان | : | فروغِ مرثیہ (سترھواں شمارہ) |
| اشاعت | : | اگست ۲۰۲۴ء |
| تعدادِ اشاعت | : | ۵۰۰ |
| ایڈیٹر | : | اصغر مہدی اشعر |
| ناشر | : | فروغِ مرثیہ انٹرنیشنل، کینیڈا |
| طابع | : | RB پرنٹرز اینڈ پبلشرز، کراچی |
| قیمت فی شمارہ | : | ۱۵/ڈالر، ۱۰/پونڈ |
| ای میل | : | faroghemarsiya@gmail.com |
| فون | : | +1-905-462-9211 |
| پتہ | : | 441 JELINIK TERRACE, MILTON<br>ONTARIO, CANADA L9T7N2 |

# فروغِ مرثیہ

سہ ماہی

کینیڈا

## ترتیب


۱۔اداریہ ---------- اصغر مہدی اشعر (کینیڈا) ---------- ۴

۲۔نعت ---------- وحید احمد (پاکستان) ---------- ۶

۳۔کبھی ایسی عزا لوگو ---------- ڈاکٹر ہلال نقوی (کینیڈا) ---------- ۹

۴۔سلام ---------- ---------- ۹

میر تقی میرؔ، میر حسنؔ دھلوی، غلام ہمدانی مصحفیؔ، نواب آصف الدولہ، میاں دلگیرؔ، واجد علی شاہ اخترؔ،
آصف اختر زیدی (کینیڈا)، کلیم ظفر (کینیڈا)، احمر شہوارؔ (امریکہ)، جوہر عباس (پاکستان)،
عوسجہ حیدر زیدی (پاکستان)، محکم عابدی (انڈیا)، فدا محمد ناشادؔ (پاکستان)

۵۔مرثیہ چند بنیادی مباحث ---------- ڈاکٹر ہلال نقوی (کینیڈا) ---------- ۱۷

۷۔غیر مطبوعہ مرثیہ ''عصرِ آشوب'' ---------- شہاب صفدر (پاکستان) ---------- ۲۳

۸۔انجم جائسی کی مرثیہ گوئی ---------- لئیق رضوی (انڈیا) ---------- ۲۸

۹۔غیر مطبوعہ مرثیہ ''اشک'' ---------- پروین حیدر (پاکستان) ---------- ۳۲

۱۰۔باقر امانت خانی، ایک تبصرہ ---------- ڈاکٹر بدرالحسن عابدی (انڈیا) ---------- ۳۸

۱۱۔مرثیہ ''ہاتھ'' بشریت کے آئینے میں ---------- عادل مختار (پاکستان) ---------- ۴۲

۱۲۔غیر مطبوعہ مرثیہ ''یقیں'' ---------- عوسجہ زیدی (پاکستان) ---------- ۴۷

۱۳۔عہد ساز اشرف عباس، ایک تاثر ---------- جوہر عباس (پاکستان) ---------- ۵۵

۱۴۔مہدی ظہیر (ضوؔ کلیمی) کی مدح ---------- پروفیسر ضمیر حیدر (پاکستان) ---------- ۵۸

۱۵۔محترمہ عابدالنساء کا غیر مطبوعہ مرثیہ ---------- علی عرفان (کینیڈا) ---------- ۶۶

۱۶۔سوز خوانی کے مرثیے ---------- شگفتہ دلشاد (پاکستان) ---------- ۶۹

۱۷۔مرثیہ ایک انکشافی تجربہ ---------- سحرش اجمل (انڈیا) ---------- ۷۹

# اداریہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

۱۴۴۶ھ/ ۲۰۲۴ء کا عشرۂ محرم بھی گذر گیا، آج ۱۲ محرم ہے اور غریب خانے میں سوم کی مجلس ہے۔ کینیڈا میں امسال غریب خانے میں عشرۂ مجالس مرثیہ کا انعقاد کیا گیا جو اس عشرے کے انعقاد کا چوتھا سال تھا۔ ان شاء اللہ بہ شرطِ زندگی یہ سلسلہ اگلے سال اپنے ۵ سال مکمل کر پائے گا۔ اس عشرے کی خصوصیات میں سے ایک چیدہ خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ محرم کے پہلے عشرے میں منعقد کردہ واحد عشرہ ہے جو لکھنؤ کے عشرے ''آلِ محمدؐ کی پسندیدہ ذاکری'' کے ساتھ ساتھ یہاں کینیڈا کے شہر ٹورنٹو کے نزدیک ملٹن میں منعقد ہوتا ہے۔ امسال مجالس کی تعداد ۱۱ رہی جس میں استقبالِ محرم کی مجلس ۲۹ ذی الحجہ کو منعقد کی گئی جس میں جناب عمار زیدی نے میر انیسؔ کا کہا ہوا مرثیہ پیش کیا، پہلی محرم کو جناب جواد امروہوی نے اپنے دادا نسیمؔ امروہوی کے مرثیے ''حُرّیت'' سے سامعین کو محظوظ کیا، دوسری محرم کو جناب وسیم امروہوی نے اپنے والد نسیمؔ امروہوی کے مرثیے ''واقعۂ کربلا سورج کی زبانی'' سے بند پیش کیے، تین محرم کو جناب کرّار جون پوری کے پوتے اور پاکستان کے معروف مرثیہ نگار یداللہ حیدر کے صاحب زادے جناب رضاؔ حیدر نے نو تصنیف مرثیہ ''دعا'' پیش کیا اور سامعین کی داد کے مستحق ٹھہرے چار محرم کو جناب ساجدؔ علی نے نو تصنیف مرثیہ بعنوانِ ''حق'' پیش کیا، ساجدؔ علی صاحب کا یہ دوسرا کہا ہوا مرثیہ ہے اور اساتذہ کی داد اور شاباشی کا مستحق ہے۔ پانچ محرم کو جناب ڈاکٹر سلمان حیدر نے اپنا کہا ہوا مرثیہ بصورتِ نثری نظم واقعۂ کربلا کو حق اور مزاحمت کی ایک تحریک کے طور پر سامعین کے سامنے پیش کیا، ڈاکٹر سلمان حیدر ایک مشاق شاعر ہیں جو دنیا میں ہونے والے واقعات کو ایک الگ احساس سے محسوس کرتا ہے اور اپنے جذبات کو ایک منفرد انداز سے قلم بند کر کے اپنے قارئین اور سامعین سے داد حاصل کرتا ہے۔ چھ محرم کو جناب علی عرفانؔ نے حضرت مسلمؑ ابنِ عقیلؑ کے حال پر اپنا نو تصنیف مرثیہ پیش کیا، عرفانؔ صاحب کے تمام مرثیے ان شاء اللہ فروغِ مرثیہ کے اگلے شماروں میں شائع ہوں گے، ساتویں محرم کو جناب اختر آصفؔ زیدی نے نو تصنیف مرثیہ پیش کیا، اختر آصفؔ صاحب کہنہ مشق شاعر و مرثیہ نگار ہیں اور اپنا مخصوص انداز رکھتے ہیں اور ان کی شاعری کا یہ مختلف انداز سامعین میں بہت مقبول ہے۔ آٹھویں محرم کو جناب عابدؔ جعفری نے خرابیِ صحت کے باوجود اپنے مرثیے ''عزادار'' سے منتخب بند سامعین کی نذر کیے اور نویں محرم کی مجلس جو اس عشرے کی آخری مجلس تھی ڈاکٹر ہلالؔ نقوی نے اپنا مرثیہ چراغ پیش کیا اور حاضرین و سامعین پر سحر طاری کر دیا۔ آج اس مجلس کو ۳ دن ہو چکے ہیں مگر دنیا بھر سے ستائش اور دعاؤں کے پیغامات آ رہے ہیں۔ ان مجالس میں جناب اسجد زیدی، جناب حسن طاہر، جناب مزمل عباس، جناب مجتبیٰ جعفر، جناب شجاعت رضا زیدی، جناب شمیم عباس نے مختلف شعرا کے سلام سے حاضرین و سامعین کی روح تازہ کی اور جناب اطہرؔ حسنین، جناب آصفؔ اختر زیدی، جناب کلیمؔ ظفر، جناب حسنینؔ جناب ارشد، عقیلؔ رضوی، جناب سرورؔ الحسن سرور، ڈاکٹر سلمانؔ حیدر اور جناب نویدؔ زیدی نے اپنے نو تصنیف سلاموں سے ان مجالس کو مزین

کیا۔نوحہ خوانی کے لیے جناب نوید زیدی، جناب اسجد زیدی، جناب شہزاد مرزا، جناب شجاعت زیدی، جناب سلطان بہادر، جناب مزمل عباس اور جناب مجتبیٰ جعفر کا شکریہ اور حیدر ٹی وی کی ٹیم خصوصاً جناب منظر رضوی کا بہت شکریہ جنھوں نے یہ تمام مجالس براہِ راست دنیا بھر میں ناظرین کی توجہ کا مرکز بنادیں۔

کینیڈا میں مرثیے کا یہ عشرہ سال بہ سال اپنی اہمیت بڑھا رہا ہے، اساتذہ کی شرکت کے ساتھ ساتھ عمومی طور پر مرثیے کے شائقین کی تعداد میں اضافے کا باعث ہے اور فروغِ مرثیہ کی اس روایت کا ضامن ہے جسے دس سال کی طویل مدت پہلے دنیا بھر میں مرثیے کے فروغ کے لیے شروع کیا گیا تھا اور اپنے منصوبوں کے باعث یہ تحریک دنیا بھر میں فروغِ مرثیہ کے لیے ایک منارے کا درجہ رکھتی ہے۔

محرم ۱۴۴۶ھ کی تیاری میں اس سال emarsiya.com میں مرثیوں کی تعداد ۴۰۰۰ سے زائد کردی گئی ہے جس سے مرثیے سے شغف رکھنے والے ہزاروں خواتین وحضرات مستفید ہورہے ہیں۔پچھلے دس سالوں کی طرح اس سال بھی مرثیوں کی ریکارڈنگ کی گئی اور جوشؔ ملیح آبادی صاحب کے مرثیے ''عظمتِ انسان'' کے عنوان سے ۱۳ مرثیوں پر مشتمل مرثیے ریکارڈ کیے گئے۔یہ مرثیے یوٹیوب، سوشل میڈیا کے علاوہ حیدر ٹی وی، Z9 ٹی وی، امام حسینؑ ٹی وی ۴، ولایت ٹی وی، ہدایت ٹی وی اور مختلف کیبل ٹی وی پر مختلف ممالک میں نشر کیے گئے۔

دبیرؔ کے مرثیے کی پانچویں جلد شائع ہوچکی ہے اور جلد ششم پر کام جاری ہے، الغرض فروغِ مرثیہ کے جتنے منصوبوں کا ذکر کیا گیا تھا، وہ سب کے سب تکمیل کی سرحدوں کے قریب ہیں، خدا ہمت برقرار رکھے اور ان تمام منصوبوں کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آخر میں ذکر ہمارے معاشرے کی لاتعلقی اور بے دردی کا۔لکھنؤ میں جناب مضطرؔ جون پوری کا انتقال کہ جن کا خلا پُر کیا جانا ناممکنات میں سے ہے۔بہترین مرثیہ نگار، محقق، تحت اللفظ خواں، استاد، نثر نگار، شفیق، مددگار دوسروں کے کام آنے والے مضطرؔ بھائی کا انتقال ۲ مئی بروزِ جمعرات لکھنؤ میں ہوا اور تدفین جمعے کی نماز کے بعد کی گئی۔مجھے افسوس ہوا کہ لکھنؤ کے اکابرین میں شامل مضطر صاحب کے انتقال کی خبر ان کی نواسی کے ذریعے حاصل ہوئی اور تشنگی رہی کہ سوشل میڈیا کے ساتھ ساتھ کہیں بھی اس انتقالِ پُرملال کے بارے میں کوئی تعزیتی نوٹ بھی پڑھنے کو نہ ملا، کہیں بھی کوئی تعزیتی جلسہ منعقد نہ ہوا، ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ ہم بحیثیت قوم مردہ پرست ہیں مگر اب یہ سمجھ میں آنے لگا ہے کہ اب ہم نے مردہ پرستی کو بھی خیرآباد کہہ دیا ہے، بس جس کی پی آر ہے اسی کی جے جے کار ہے اور جو اکابرین شعرا، ناقدین، محقق، ادبا سر جھکائے خدمتِ حق، خدمتِ عزا اور خدمتِ ادب میں مصروف ہیں ان کا نہ اس دنیا میں زندگی میں پوچھنے والا ہے نہ مرنے پر۔خدا مضطرؔ بھائی کے درجات کو بلند کرے۔اس دل کو ان کی فرقت کا بہت ملال ہے۔طالبِ دعا

اصغر مہدی اشعر
۱۲ محرم مطابق ۱۸ جولائی ۲۰۲۴ء
ملٹن، کینیڈا

# نعت

وحید احمد

تم اپنے مرد لے آؤ
تم اپنی عورتیں لاؤ
اور پھر خود کو لے آؤ
تمھیں ہم یوں بلاتے ہیں۔۔۔۔۔!!!
بڑا ہنگام لایا ہے
سر برآوردہ بشپ اور پادری
پرانے عہد نامے کے مفسّر اس میں شامل ہیں
سطوت و جبروت ہے
ہر اک فرغل میں موتی ہیں
ہر اک کی ریشمی چادر میں سونے کے شرارے ہیں
تو جھلمل اس قدر بوچھاڑ کرتی ہے
مدینے کے در و دیوار پر جگنو مکتے ہیں
کہ سارے مسجدِ نبویؐ کے اندر
گفتگو آغاز کرتی ہے
تو دوسری جانب
جن میں گفتگو کرتی صلیبیں جھولتی ہیں
تو پھر تثلیث اور وحدانیت کی بحث طولانی ہوئی
اب پیشتر اس کے
خَلطِ مَبحث بات کی منطق پراگندہ کرے
کہ اب ترازو درمیاں لانی پڑے گی
طے ہوا آخر
تم اپنے مرد لے آؤ
تم اپنی عورتیں لاؤ

ہم اپنے مرد لاتے ہیں
ہم اپنی عورتیں لاتے ہیں
ہم اپنے خود کو لاتے ہیں
یہ جو نجران سے نصرانیوں کا وفد آیا ہے
چنیدہ
انجیل کے حافظ
نہایت شان و شوکت اور شکوہ و تمکنت ہے
بس جس طرف دیکھو
ہر اک جیّے میں تارے ہیں
یہ جب پلّو جھٹکتے ہیں
کہ گلیوں میں مچلتی ریت کے ذرے چمکتے ہیں
انھیں کتنی سہولت ہے
رو بہ مشرق ہو کے اپنے عہد نامے کی عبادت کر رہے ہیں
جو اک جانب ہر اک برہان پر مہرِ نبوتؐ ثبت ہے
مسیحی گردنوں میں بھاری مالائیں ہیں
جھنجھناتی ہیں
اور حجتی لہجوں میں شدت آ گئی
کہ کج بحثی در آئے
تو طے ہوا
جو بھی جھوٹا ہو
اسے اپنی ہلاکت کی قسم کھانی پڑے گی[1]
ہم اپنے مرد لاتے ہیں
ہم اپنی عورتیں لاتے ہیں

---

[1] (Imprecation تو بس اک duel ہوتا ہے کہ اس میں ایک جانب کی ہلاکت لازمی ہے)

اور پھر خود کو لے آؤ
مباہل اپنی بیٹھک شہر سے باہر لگاتے ہیں
یہ دیکھنے والوں نے دیکھا
چنیدہ علم سلطانی
فلک پیما
مسافر
یہی وہ لوگ ہیں
اپنے علم کے ہاون میں رکھ کر پیستے ہیں
آبِ حیات اور سوم رس میں گھول کر پیتے ہیں
کون و مکاں کو ایک خط پر اس طرح سے دیکھتے ہیں
جیسے کوئی تصویر ہو
دوسری جانب
اور پانچوں انگلیاں چمکا دیتی ہیں
''اے حارثہ بن علقمہ!
ہو بہو ان سا ہے
بشپ حارث یہ سن کر مسکرایا
''سیدی!
تو پھر عاقب نے پوچھا:

اور اس بچے کے پیاسے ہونٹ کتنے خشک ہیں
حلقوم پر اک چیر آجاتا ہے
اڑتے فرشتے ہاتھ کے پھاہے سے
خویلد قیس سے پہلے ہی بول اٹھا:
نواسہ ہے۔۔۔۔۔!!!''
سیدی ایہم!
جوان کے پیچھے
اور کلائی کے کڑے میں
جنت کے دروازوں کی ساری چابیاں لٹکی ہوئی ہیں
فردوسِ بریں کے جھنڈ سے چلتی ہوا مہکا دیتی ہے

ہم اپنے خود کو لاتے ہیں
تو پھر
ایک جانب ساٹھ نصرانی
صحیفوں کی عبارت میں اتر کر آسماں کی سیڑھیاں چڑھتے
مقدس آیتوں کی راہداری میں سفر کرتے
شہر سے باہر کھلے صحرا میں بیٹھے ہیں
جو حال ماضی اور آئندہ کو
اور پھر اس کا سفوف
روشن ہو کے وہ
جس طرح تحریر ہو
پھر دیکھنے والوں نے دیکھا
اچانک روشنی نے اپنی مٹھی کھول دی ہے
تو ایہم نے کہا:
یہ کون بچہ ہے جو ان کی انگلی تھامے چل رہا ہے؟
یوں لگتا ہے ان کا ہاتھ تھامے ان کا بچپن چل رہا ہے''
اور بولا:
یہ تو شباہت کا اثاثہ ہے۔۔۔نواسہ ہے۔۔۔۔!!!''
''قیس بتلاؤ!
شبِ معراج جیسی اون کی کالی عبا سے جھانکتا۔ یہ کون بچہ ہے
جوان نے گود میں لپٹا کے رکھا ہے
اب دیکھیے
اور جب دیکھیے
گردن کے لہو کو صاف کرتے ہیں۔۔۔؟''
''یہ ظلمت کے مقابل روشنی کا استغاثہ ہے
اوس بن حارث نے پوچھا:
یہ بی بی کون ہے
ان کے نقشِ پا پہ اپنے پاؤں دھرتی آ رہی ہے؟
آستیں سے جھانکتی
جن کے گرد اگرد
وہ چلتی ہے تو اس کی آستیں جھنکا دیتی ہے

تو ایہم نے کہا: پیارے

خویلد نے کہا:
جو سب سے پیچھے آ رہا ہے
تو عاقب نے کہا
جو سب کچھ ہے

یہ جب نہج البلاغہ میں قدم رکھتا ہے
یہ کن کا کوندتا کنبہ ہے
یہ ان کا ہے۔۔۔۔!!!
صحرا جن کے قدموں سے لپٹ کر آج رشکِ آسماں ہے
کہ جیسے کوئی فاتح
یہاں تو نوریوں کے نور دیتے پنکھ جلتے ہیں
سو بہتر ہے

''رئیل اسٹیٹ اس کی ہے۔۔یہ جس نے کہکشاؤں سے بنی چادر لپیٹی ہے
یہ بیٹی ہے۔۔۔۔!!!''
یہ کون ہے
جس طرح طوفان آتا ہے؟
بھائی یہی تو ہے
یہ جب یلغار کرتا ہے
تو دیو اندام دروازوں کی کیلیں ٹوٹ جاتی ہیں
تو مدمقابل کی دلیلیں ٹوٹ جاتی ہیں۔۔۔۔۔!!!
کن کا ہے؟
یہ کس کا خاندان آتا ہے
یہ پریوار اس طرح سے پاؤں دھرتا ہے
اپنے مفتوحین کی سہمی ہوئی گلیوں میں چلتا ہے

کہ ہم نجران چلتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔!!!!''

❁❁❁❁

اشاریۂ دبیرؔ
زیرِ طبع
ترتیب وتدوین
اصغر مہدی اشعر

ابرؔ جون پوری کے مرثیے
زیرِ طبع
ترتیب وتدوین
اصغر مہدی اشعر

فرہنگِ مونسؔ
زیرِ طبع
ترتیب وتدوین
اصغر مہدی اشعر

# کبھی ایسی عزا لوگو.....

## ڈاکٹر ہلالؔ نقوی

کبھی ایسی عزا لوگو .... عزاداری نہیں ہوتی
عزا میں جب تلک مقتل کی تیاری نہیں ہوتی

یقیناً ... ان پہ رونا اک عبادت ہے مگر لوگو
نہ ہو گر معرفت تو گریہ و زاری نہیں ہوتی

علَم کے واسطے بازو کٹانا بھی ضروری ہے
علَم کو تھام لینے سے علمداری نہیں ہوتی

تو پھر اِس زندگی کو زندگی کہنے سے کیا حاصل
اگر اِس زندگی پہ کربلا طاری نہیں ہوتی..!

جو سر جُھک جائے ان باطل پرستوں کے اشارے پر
تو پھر اُس سر میں لوگو روحِ سرداری نہیں ہوتی

وہی کرار ہیں کراریت ہو جن کے سینوں میں
فقط نعرے لگا لینے سے کراری نہیں ہوتی

علیؑ والوں میں جو اک ذائقہ ہے جان دینے کا
کسی بھی قوم میں ظاہر یہ سرشاری نہیں ہوتی

ذرا سوچو عزیزو مجلس و ماتم سے کیا حاصل؟
اگر پیدا مری ملّت میں بیداری نہیں ہوتی!

جو اِس بیعت شکن مردِ مجابد کے ہیں شیدائی
تو پھر اُن اہلِ حق کو زندگی پیاری نہیں ہوتی

علیؑ کی تیغ کا جس ہاتھ کو صدقہ نہیں ملتا
تو پھر اس ہاتھ کی جو ضرب ہے کاری نہیں ہوتی

ہلالؔ اتنا بتا دو تم حسینیؑ غم گساروں کو
نہ ہو گر کربلا دل میں وفاداری نہیں ہوتی

# سلام

## میر تقی میرؔ

اے بدخشانِ نبیؐ کے لعلِ احمر السّلام
اے گلستانِ علیؑ کے لالۂ تر السّلام

ایک ساعت ہی میں اُمّت پھر گئی ناناؐ کی سب
کیا قیامت لائی تیرے سر کے اوپر السّلام

بوند بھر پانی نہ دریا پر تجھے پینے دیا
اے تمنائے دلِ ساقیِ کوثر السّلام

سب کنارے لگ گئے تُو بحرِ خوں میں غرق ہے
اے کنارِ مصطفیٰؐ کے ناز پرور السّلام

تو تو شاہِ دیں تھا ایسا ہو کے بیکس کیوں ہوا
اب نہ تن پر سر ہے نے سر پر ہے افسر السّلام

بات کو بے پردہ کہیے کس طرح اب ہائے ہائے
ہیں حرم کے لوگ اب محتاجِ چادر السّلام

کیا ستم کشیاں بیاں تیری کرے دل خستہ میرؔ
نام تیرا سُن کے آنکھیں ہوتی ہیں تر السّلام

---

ا ڈاکٹر ہلال نقوی کا یہ کلام کراچی کی ایک انجمن دستۂ اماميہ نے اس سال پڑھا ہے۔

# سلام

## میر حسنؔ دہلوی

مُجرا کہو شبیرؑ پہ اس طرح حزیں ہو — جو اشک کے سیلاب سے تر ساری زمیں ہو
سر اُس کا علَم پر علَم آہ کہ جو شخص — حیدرؑ کا نشاں دوشِ محمدؐ کا مکیں ہو
جُز حضرتِ شبیرؑ بھلا کون ہے یاور — جو ساجد و مسجود دمِ باز پسیں ہو
صد حیف ملے پیادہ روی اس کے پسر کو — کونین کی اقلیم کا جو تخت نشیں ہو
خشک احمدؐ مختار کے ہوں کس طرح آنسو — تر خون میں شبیرؑ کے جب خنجرِ کیں ہو
سر ننگے نہ کس طرح سے ہوں فاطمہؑ نالاں — عُریاں پڑی جب دشت میں لاشِ شہِ دیں ہو
اے پیرِ فلک ہووے جو اکبرؑ سا جواں آہ — تیر و تبرِ ظلم ہو اور اُس کی جبیں ہو
ہیہات جو ہو قوّتِ بازوئے حسینؑ — شانہ کہیں ، سر اُس کا کہیں ، پاؤں کہیں ہو
محتاجِ چَدر ہوئیں وہ اے وائے کہ جن کے — یوں سلطنتِ ہر دو جہاں زیرِ نگیں ہو
ہے حضرتِ شبیرؑ سے یہ عرض حسنؔ کی — جا مشہدِ عالی پہ یہ پیوندِ زمیں ہو

---

# سلام

## غلام ہمدانی مصحفیؔ

سلامی اشک سے یہ چشمِ مومنیں تر ہے — کہ جس سے فرش ہے نمناک اور زمیں تر ہے
جو دستِ شاہؑ میں تھی خاتمِ رسولؐ اللہ — رکھ اُس کو منھ میں کہا کچھ تو یہ نگیں تر ہے
یہ پُر ہوئے ہیں شہیدوں کے خون سے تھالے — کہ قتل گاہ کی دو دو وجب زمیں تر ہے
سُپرد کی ہے جو قاسمؑ نے وقت رخصت کے — وہ اشکِ گریۂ کُبریٰؑ سے آستیں تر ہے
ملک فلک پہ جو ہر لحظہ گریہ کرتے ہیں — انھوں کے اشک سے تا چرخِ ہفتمیں تر ہے
فلک سے یہ عمل ایسا ہوا کہ آج تلک — ہے آفتاب خجل ماہ کی جبیں تر ہے
پسینہ تن سے جو عابدؑ کے پونچھے تھی زینبؑ — دومِ بھی نم ہے جو رومالِ اوّلیں تر ہے
بحالِ زارِ شہیداں و افتادہ بدشت — ہر اک غزال کا واں دیدۂ نمیں تر ہے
لکھوں میں حال شہیدوں کا مصحفیؔ کب تک — کہ دیدۂ قلمِ معجز آفریں تر ہے

---

# سلام

## نوّاب آصف الدولہ

مجرئی جسے روضۂ سرورؑ نظر آیا فردوس کا دنیا میں اُسے در نظر آیا
جس کو کہ جمالِ علی اکبرؑ نظر آیا مجرائی کہا اس نے پیغمبرؐ نظر آیا
دل زینبؑ مضطر کا لگا بر میں تڑپنے جب شمر لیے ہاتھ میں خنجر نظر آیا
تغیّر ہوئی حالتِ صغراؑ وہیں گھر میں اغشتہ بہ خون جبکہ کبوتر نظر آیا
شہپر سے طیور آن کے کرنے لگے سایہ جب دھوپ کا صدمہ تنِ شہؑ پر نظر آیا
جب کُوچ کیا رونقِ بستانِ نبیؐ نے سُنسان مدینے کا ہر ایک گھر نظر آیا
افواج ہوئی شام کی ساری تہ و بالا میداں میں جو عباسؑ دلاور نظر آیا
حملہ جو کیا فوج پہ سب بولے یہ اعدا پھر آج حملۂ خیبر نظر آیا
زہراؑ کا ہوا نورِ نظر قتل جو رن میں بے نُور فلک پر شہِؑ خاور نظر آیا
یعقوبؑ نمط آنکھوں میں تاریک تھا عالم جب رن میں نہ شبیرؑ کو اکبر نظر آیا
زنجیر لگی کرنے فغاں حال پہ اس کے سجّادؑ کا جب تن اُسے لاغر نظر آیا
حُرؑ لشکرِ اعدا سے جُدا کیوں کر نہ ہوتا سرورؑ سا نہ اُس کو کوئی رہبر نظر آیا
بیتاب ہو اشتر سے گری بانوئےؑ مضطر مقتل میں جونہی لاشۂ اکبرؑ نظر آیا
جنّات عزادار ہوئے لاشۂ شہؑ پر بے جاں جو انھیں شاہؑ کا پیکر نظر آیا
کہتا عمرِ سعد تھا یہ فوج سے اپنی گو شاہؑ کا کم تم کو ہے لشکر نظر آیا
سوزِ غمِ سرورؑ سے عزاداروں کا سینہ روشن بخدا صورتِ خاور نظر آیا
یہ رعبِ جوانانِ حسینیؑ ہوا رن میں میداں میں جو آیا سو مضطر نظر آیا
خورشیدِ قیامت کا یقیں ہوگیا جس دم نیزے پہ سرِ سبطِ پیمبرؐ نظر آیا
یوں اور بھی جلّاد زمانے میں ہوئے ہیں پر شمر سا کوئی نہ ستم گر نظر آیا
سجادؑ بھی رو رو کے یہ کہتے تھے ہر اک سے اپنا سا کسی کا نہ مقدّر نظر آیا
شہؑ بولے ہلے لب جُونہی اکبرؑ دمِ نزع اکبرؑ تمھیں کیا ساغرِ کوثر نظر آیا
نوّاب غمِ سبطِ پیمبرؐ ہوا تازہ جب چاند محرم کا فلک پر نظر آیا

# سلام

## میاں دلگیرؔ

اے مجرئی امامؑ پہ کیا کیا جفا نہ تھی — اللہ رے صبر لب پہ شکایت ذرا نہ تھی
جب مر گئی سکینہؑ تو سجادؑ نے کہا — اس کے سِوا فراق کی کوئی دوا نہ تھی
اللہ رے ضعفِ عابدِؑ بیمار کا اثر — دُوہری تو بیڑیاں تھیں ولیکن صدا نہ تھی
سجادؑ بولے گنجِ شہیداں کو دیکھ کر — بیمار کے نصیب میں خاکِ شفا نہ تھی
زینبؑ کو سر کھلے بازار لے گئے — شمرِ لعیں کی آنکھ میں مطلق حیا نہ تھی
زینبؑ نہ چھوڑتی کبھی بھائی کو بے کفن — لاشے پہ جب گئی تھی تو سر پر رِدا نہ تھی
غارت کے وقت چادرِ تطہیر کے سِوا — خیمے میں اہلِ بیتؑ کو چھپنے کی جا نہ تھی
زینبؑ وطن میں آئی تو صغراؑ سے یہ کہا — اے بیٹی ہم پہ قید میں کیا کیا جفا نہ تھی
دربار میں یزید کے جب ہم کو لے گئے — سب سر کھلے تھے ایک کے سر پر رِدا نہ تھی
عابدؑ نے کی یزید سے اس طرح گفتگو — گویا کہ اس مریض کو دہشت ذرا نہ تھی
پردہ فقط تھا شرع کا ظاہر میں درمیاں — زہراؑ کی رُوح بیٹے سے ایک دم جُدا نہ تھی
دلگیرؔ لب پہ عابدِؑ مضطر کے عمر بھر — کچھ بات غیر گفتگوئے کربلا نہ تھی

---

# سلام

## واجد علی شاہ اخترؔ

سلام اُس پر جو مشہور ہیں زمانے میں — حُسینؑ کوہِ گراں تھا جفا اُٹھانے میں
حُسینؑ قتل ہوئے جب تو کہتی تھیں زینبؑ — کہ کتنی دیر ہے بھائی تمھارے آنے میں
کہا یہ بیٹی سے شہؑ نے بس اب ہمیں چھوڑو — بڑا مزا ہے سکینہؑ گلا کٹانے میں
کہا سکینہؑ نے جب سے ہوئے ہیں باپ شہید — مزا نہ پانی میں پایا نہ لطف کھانے میں
جو کوئی کہتا تھا روؤ نہ کہتے تھے سجادؑ — مزا ملا ہے مجھے اشک غم بہانے میں
یہ بولے عابدِؑ خستہ پنھائی جب زنجیر — سُبک نہ ہوں گا میں اس بوجھ کے اُٹھانے میں
یہ رہ میں عابدِؑ ناشاد کرتے تھے فریاد — صدائے گریہ ہے زنجیر کے ہلانے میں
رہائی قید سے دلواؤ اس کو اے شبیرؑ — بہت ہی رنج ہے اخترؔ کو قید خانے میں

---

# سلام

## اختر آصفؔ زیدی

آہ و فغاں ہے یارب ، کوفے میں ، کربلا میں
دونوں جگہ ہے زینبؑ ، کوفے میں کربلا میں

لختِ جگر کا مولاؑ ، تم ہی خیال رکھنا
گزرے گی کس طرح شب ، کوفے میں کربلا میں

سر ہے یہاں پہ زخمی ، سینہ وہاں ہے چھلنی
انسانیت نہیں اب ، کوفے میں کربلا میں

بنتِ علیؑ کے دل پر کیا کیا پہاڑ ٹوٹے
آزاد غم سے ہو کب ، کوفے میں کربلا میں

کوفے کی شاہزادی ، شکوہ نہیں کرے گی
دینِ خدا سے مطلب ، کوفے میں کربلا میں

کاندھوں پہ آپڑا ہے ، حسنینؑ کی بہن کے
بنتِ نبیؐ کا منصب ، کوفے میں کربلا میں

چہرے پہ جس کے نظریں ، سورج نے بھی نہ ڈالیں
وہ کی گئی مخاطب ، کوفے میں کربلا میں

بعدِ حسینؑ و حیدرؑ ، بنتِ نبیؐ کی بیٹی
ہے ذِمّہ دارِ مذہب ، کوفے میں کربلا میں

بابا کو رو چکی ہے ، بھائی کو رونے والی
شکرِ خدا ہے بر لب ، کوفے میں کربلا میں

آصِفؔ سلام کریو ، زینبؑ کی ہمتوں کو
جانا ہو تیرا جب ، جب ، کوفے میں کربلا میں

---

# سلام

## کلیمؔ ظفر

میرا مزاج داں مرا ہمدم قریب ہے
پیہم صلاتِ عشق کا موسم قریب ہے

سنتا ہے دل مرا جرسِ کاروانِ غم
کہتا ہے شوق حلقۂ ماتم قریب ہے

جاتا ہے کربلا کی طرف دم بہ دم خیال
ہر سانس کہہ رہی ہے محرم قریب ہے

پھیلی ہوئی ہے بوئے وفا بن میں چار سو
عباسؑ نامدار کا پرچم قریب ہے

ہر آن بڑھ رہی ہیں جو یہ بیقراریاں
ماہِ عزائے شاہِ دو عالمؑ قریب ہے

سجنے کو شہ نشیں میں ہے جھولا صغیرؑ کا
زخمِ دلِ ربابؑ کا مرہم قریب ہے

اک جست میں ہو پار یہ دشتِ جنوں تمام
ہاں ہاں غزالِ شوق ترا رَم قریب ہے

اُٹھ اُٹھ کہ کہہ رہی ہے یہ موجِ الم کلیمؔ
موجِ نشاطِ کوثر و زم زم قریب ہے

---

# سلام

## احمر شہوارؔ

حی علی العزا الحسین علیہ السلام

ہر نسل محرّم کی یوں کرتی ہے تیاری — ماوں نے سکھائی ہے بچوں کو عزاداری
جس رات کے آخر سے آغازِ بقا ہو گا — اس رات کے قالب میں رکھی گئی بیداری
شبیرؑ لہو دے کر تا حشر شفا بخشیں — اسلام سے مٹ جائے الحاد کی بیماری
فردوس ، ارم ، جنّت ہیں عشق کے جادے پر — اب رہروِ کربل کی دیکھے کوئی سرشاری
شانوں کو کٹا دے گا افرازیِ پرچم کو — حیدرؑ سے جو پائے گا ورثے میں علمداری
شرمندہ بھتیجی سے سوتا ہے ترائی پر — سقائے سکینہؑ میں اس درجہ ہے خودداری
شہوارؔ جسے خامہ شبیرؑ نے بخشا ہے — دنیا کے یزیدوں کی بیعت سے ہے انکاری

---

# سلام

## جوہرؔ عباس

چشمۂ ایثار سقّائے حَرَم — موجِ دریا دار سقّائے حَرَم
ہر پَہر بیدار سقّائے حَرَم — کب نہیں تیّار سقّائے حَرَم
چھوٹے حضرت اے بنی ہاشمؑ کے چاند — سیّد و سردار سقّائے حَرَم
کاشفِ کربِ دل و جانِ بتولؑ — دافعِ آزار سقّائے حَرَم
اے پئے حفظِ حریمِ مصطفیٰؐ — آہنیں دیوار سقّائے حَرَم
جُنبشِ ابرو سے لرزاں ہیں شقی — واہ تیرا وار سقّائے حَرَم
الاماں! ضبطِ شجاعت الاماں — صابر و مختار سقّائے حَرَم
عشق نے پایا ترے دم سے فروغ — عشق کے معیار سقّائے حَرَم
تا ابد تیرا نشاں ہے خِضرِ راہ — اے علَمبردار سقّائے حَرَم
باقیاتِ شِمر کے نرغے میں ہوں — ہے کُمک درکار سقّائے حَرَم
نام کا جوہرؔ ہُوں ، جوہر دو بنا — اے کرم آثار! سقّائے حَرَم!

---

# سلام

## عوسجہؔ حیدرزیدی

پل میں کردیتے ہیں جو شر کا سراپا مٹی
وہ اگر چاہیں تو کر دیں گے زمانہ مٹی

وہ اگر مشک نہ تلوار کے بدلے لاتا
غیض عباسؑ کا کر دیتا یہ دنیا مٹی

ہر طرف شامِ غریباں میں یہ منظر دیکھا
تشنگی ، بھوک ، جھلستا ہوا خیمہ ، مٹی

وہ جو چاہیں تو بنا سکتے ہیں کنکر ہیرا
وہ جو چاہیں تو کریں ہاتھ سے سونا مٹی

وہ جو ٹھوکر سے سمندر کو بہا سکتے ہیں
اک اشارے سے بنا سکتے ہیں دریا مٹی

یہ ہے اعجاز فقط تیرا حسینؑ ابنِ علیؑ
عام سی خاک کو خوں سے کیا اعلیٰ مٹی

مولاؑ گر چاہیں تو مٹی سے بنادیں طائر
چاہیں تو کردیں پرندے کو دوبارہ مٹی

ہم بھی ہیں سیرتِ بہلول پہ قائم ہر دم
ہم سے ہے خاک نشینوں کا بچھونا مٹی

عوسجہؔ کرب و بلا جا کے یہ معلوم ہوا
مالکِ عرش کا ہے ایک خزانہ مٹی

---

# سلام

## محکمؔ عابدی

انجیل کی صورت ، کبھی تورات کی مانند
الفاظ ، عطا کر مجھے آیات کی مانند

بیدار کیا ظُلمتِ شب سے جو اذاں نے
ہے حال مرا ، حُرؑ! ترے حالات کی مانند

آنے کو ہے شاید غمِ شبّیرؑ کا موسم؟
کیوں آنکھ برسنے لگی برسات کی مانند؟

ہے قاسمؑ نوشاہ کی مدحت کا اِرادہ
الفاظ چلے آتے ہیں بارات کی مانند

اِنکار نے بیعت کا محل توڑ دیا ہے
طوفان سے ، برباد مکانات کی مانند

مانگے ہیں رُخِ جونؑ سے ، سورج نے اُجالے
محتاج کے ہونٹوں کی مناجات کی مانند

شاعر ہُوں سکینہؑ کا میں ، کوئی بھی تصوّر
معصوم کہاں، میرے خیالات کی مانند؟

دن بھی نہیں گزرا کوئی ، اُس دن کی طرح سے
اور رات بھی آئی نہیں ، اُس رات کی مانند

ہم بیٹھے رہیں مجلسِ شبّیرؑ میں محکمؔ!
اور صدیاں گزرتی رہیں لمحات کی مانند

---

# سلام

## فدا محمد ناشادؔ

میرے مولا ، مرے امام حسینؑ — روئے باطل پہ ضربِ تام حسینؑ
راکبِ دوشِ مصطفیٰؐ ہونا — کتنا اونچا ترا مقام حسینؑ
نوجوانانِ خلد کے سردار — اہلِ جنّت کا احتشام حسینؑ
جو کبھی کوئی کر نہیں سکتا — تو نے ایسا کیا ہے کام حسینؑ
حق کو باطل نے جب بھی للکارا — یاد آیا ترا قیام حسینؑ
گھر دیا، سر دیا، مگر نہ دیا — دستِ بیعت ، مرا سلام حسینؑ
تپتے صحرا میں اور لبِ دریا — زیرِ خنجر تھا تشنہ کام حسینؑ
دشتِ غربت میں دے کے اپنا لہو — سرخ رو ہو گیا مدام حسینؑ
ترے اصغرؑ کا واقعہ سن کر — رو رہا ہوں میں صبح و شام حسینؑ
عمر بھر بھی رہوں اگر روتا — غم نہ ہوگا ترا تمام حسینؑ
کربلا آج اگر معلّیٰ ہے — ہے یہ تیرا ہی اہتمام حسینؑ
کرّ و فرِّ یزید کو تُو نے — کر دیا رُو بہ انہدام حسینؑ
سر اٹھائے گا اب نہ کوئی یزید — وہ کیا تو نے انتظام حسینؑ
بی بی زینبؑ نے دے دیا تا حشر — تیرے ایثار کو دوام حسینؑ
تیری تربت کی دھول خاکِ شفا — اے مسیحائے خاص و عام حسینؑ
کربلا کی یہ خوش نصیبی ہے — جس پہ دائم ترا مقام حسینؑ
تیرے فضل و کرم کا ہوں طالب! — میرا مقبول ہو کلام حسینؑ
میری فہم رسا ہے تیری عطا — میرے اشعار تیرے نام حسینؑ
چاند سورج ہے جب تلک روشن — تیرا روشن رہے گا نام حسینؑ
ہے دعا کوئی غم نہ دے یارب ! — بس سوائے غمِ امام حسینؑ
روزِ محشر نصیب ہو مجھ کو — آبِ کوثر کا ایک جام حسینؑ
میں ہوں ناشادؔ پُر خطا لیکن — تیرا ادنیٰ سا ہوں غلام ، حسینؑ

# مرثیہ چند بنیادی مباحث

ڈاکٹر ہلال نقوی

یہ ایک ادبی المیہ ہے کہ ہماری اردو تنقید نے مرثیے کو بہت سنجیدگی سے اپنے احاطے میں نہیں لیا، مرثیہ کئی زمانوں سے شہرِ ادب سے اپنی اس جلاوطنی کا کرب جھیل رہا ہے۔ نثر ادب سے قطع نظر شعر و شاعری پر اس صدی میں ہزاروں مضامین اور مقالے لکھے گئے ہیں اور آج بھی لکھے جا رہے ہیں لیکن مرثیہ بہت بُری طرح نظر انداز کیا گیا۔ اس بے توجہی کے ابتدائی ماحول میں ادبی توجہات کا سارا کریڈٹ محمد حسین آزادؔ، حالیؔ، خصوصاً شبلیؔ کو جاتا ہے کہ انہوں نے شدت سے یہ احساس دلایا کہ مرثیہ محض مذہبی صنفِ سخن نہیں بلکہ یہ ایک بڑی ادبی صنف سخن ہے۔

ادب کسی بھی واقعے سے اپنی گہری وابستگی کا اظہار اس وقت تک نہیں کرتا جب تک کہ خود اس واقعے کے باطن میں اتنی توانائی نہ ہو کہ جو شعر و سخن کی جڑوں میں نمو و حرارت پیدا کر دے۔ ہماری دنیا کی تاریخ قتل و خون کے واقعات سے بھری پڑی ہے لیکن واقعے کی اہمیت صرف اس بات سے قائم نہیں ہوتی کہ اس میں کتنا زور و شور برپا ہوا، کتنی تلواریں چمکیں، بارود کے ذخیروں نے کتنے انسانوں کو راکھ کر دیا اور کتنی لاشیں گریں، واقعے کی اہمیت اس بات سے قائم ہوتی ہے کہ اس واقعے نے سچائی کے کتنے پہلو روشن کیے اور تاریخ میں صداقت و حرّیت کے کتنے نئے باب لکھے گئے۔ مرثیے نے جو درس دیا اس کا اولین سبق ذلت کی زندگی گزارنے میں جھیلنے سے بہتر سر کو کٹا دینا ہے باقی تمام باتیں اس کے زیرِ اثر آتی ہیں۔ کربلا میں جو تاریخِ شہادت لکھی گئی اس نے انسانی تاریخ خصوصاً مسلمانوں کی تہذیبی، معاشرتی اور علمی تاریخ کو بہت متاثر کیا اور شعر و ادب پر تو اسکے جتنے گہرے اثرات ہوئے اس کا اندازہ صرف اردو ہی نہیں بلکہ مسلمان ممالک میں بولی جانے والی مختلف زبانوں کے رثائی ادب سے کیا جا سکتا ہے۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق مرحوم کا یہ فقرہ بڑا وقیع ہے کہ ''مسلمانوں کی المیہ شاعری امام حسینؑ کی شہادت ہے''۔ کسی عزیز قریب کی موت ایک سانحہ ضرور ہوتا ہے لیکن گزرتے ہوئے وقت کی رفتار یہی ثابت کرتی ہے کہ یہ ایک عارضی سانحہ تھا انتہا یہ ہے کہ انسان اولاد کا اور ماں کی موت کا غم بھی بھول جاتا ہے۔ کسی قائد کی موت ایک اجتماعی غم کی محرک یقیناً ہوتی ہے لیکن جس نے انسانیت کی بقاء کے لیے جامِ شہادت پیا ہو اس کا غم ہر انسان کا غم بن جاتا ہے جو اپنا سر اصولوں کی بقا کے واسطے نیزے پر سجا لینا پسند کرتا ہو اس کی موت اس لیے ایک عظیم الشان موت ہوتی ہے کہ اس نے کسی عظیم مقصد کی بقا اور تحفظ کے لیے مر جانے کو ترجیح دی ہے اور یہی موت اس کے لیے ابدی زندگی بن جاتی ہے۔ ہم مرثیوں میں انہی زندہ آدمیوں سے ملتے ہیں۔ یہ زندہ آدمی ہر دور کی مُردہ تہذیب و تاریخ کو جھنجھوڑتے رہے ہیں، ہمارے ضمیر پر دستک دیتے رہے ہیں اور نسلِ انسانی کی سست رفتار قافلوں کو مہمیز کرتے رہتے ہیں۔ انسانی رشتوں کی سچائی اور عظمت کو جس تقدس و احترام سے مرثیوں نے لکھا ہے اس نے زندگی گزارنے کے امکانات کو بہت وسیع کیا ہے۔ ایسا یقیناً ہوا ہے کہ حکومتوں اور درباروں نے مرثیے کی سرپرستی کی لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ مرثیہ، درباری شاعری بن گیا ہو اس نے امراء

کے قصیدے کبھی نہیں لکھے بقول فیض "مرثیہ نویسوں کا کلام اس لیے قابلِ قدر ہے کہ انہوں نے امراء سے ہٹ کر دوبارہ عوام کی طرف رجوع کیا۔(میزان ۱۹۶۲ء)

مرثیے میں عوامی لہر، نئے مفہوم وشعور کے ساتھ بیسویں صدی کے مرثیے میں زیادہ نمودار ہوئی۔ انیسویں صدی کے مرثیوں میں اور بیسویں صدی کے مرثیوں میں، ان گنت مقامات پر خیال کی یکسانیت مل جائے گی لیکن اس خیال کے پس منظر میں جو سماجی وتہذیبی ادراک محرک کا کام کر رہا ہوگا وہی اس کے معانی کی تہیں کھول سکے گا۔ انیسؔ اور جوشؔ کے مرثیوں سے ان مصرعوں کو دیکھئے یہ مصرعے خیال کی مماثلت میں ایک دوسرے سے کس قدر قریب ہیں

لعنت خدا کی مذہبِ ابنِ زیاد پر (انیسؔ)
لعنت خدا کی حشر تک ابنِ زیاد پر (جوشؔ)
اسلام اگر یہی ہے تو اسلام کو سلام (انیسؔ)
اک فقط ایمان کیا ، قرآن کو میرا سلام (جوشؔ)

دیکھا جائے تو انیسؔ کا مصرعہ جوشؔ کے مصرعے سے زیادہ طاقت وراور وسیع الخیال ہے۔ ابنِ زیاد پر خدا کی لعنت ایک فرد پر لعنت ہے جس نے کربلا میں ظلم پرستوں کا ساتھ دیا اور مذہبِ ابن زیاد پر لعنت ہر دور کے اس نظام پر جبر پر لعنت ہے جس کی بنیاد ریاکاری، زر پرستی، رشوت خوری، فتنہ وفریب، تصنع، قتل وغارت گری، سازشی اقدام، باطل کی پاسداری اور تائید ظلم پر ہے لیکن اس اہمیت اور پھیلاؤ کے باوجود جوشؔ چونکہ اپنے خیال کو اپنے عہد کے سماجی اور سیاسی سیاق وسباق میں لکھ رہے ہیں اس لیے اس کی کاٹ دوسری ہے دوسرے مصرعے میں بھی جوشؔ نے اپنے عہد کے لوگوں کی مردہ ضمیری اور بے حسی سے تنگ آ کر یہ بات کہی ہے یہی وجہ ہے کہ آج کے مرثیے اپنے عہد زندگی سے زیادہ ہم آہنگ ہیں۔ بیسویں صدی میں مرثیے کا نیا سفر برصغیر کے اس زوال پذیر معاشرے کی دہلیز سے شروع ہوتا ہے جس میں فیوڈل سسٹم کے نئے جال بنے جارہے تھے اور انگریزوں کی حاکمیت اس خطے میں اپنے نظام فکر کے بیج بو رہی تھی۔ لیکن اس موڑ پر یہ ضرور پیشِ نظر رہنا چاہیے کہ مرثیہ محض انقلابی نعروں یا سیاسی شعور وشغب سے جدید نہیں ہوجاتا اس میں فکری رویے کے قدم بہ قدم ادبیت کا جو ہاتھ ہوتا ہے اس کی نفی نہیں کی جاسکتی۔ مرثیوں میں مذہبی خلوص کا اظہار بھی ایک الگ چیز ہے لیکن ان کا اعلیٰ وارفع ادبی صفات کا حامل ہونا ایک دوسری بڑی حقیقت ہے۔ انیسؔ اسی لیے اردو کے سب سے بڑے مرثیہ نگار کہلائے کہ ان کے مرثیوں میں ادبیت اپنے پورے جلال وجمال کے ساتھ موجود ہے جس نے انسانی جذبات کو روشنی کی زبان دی، مرثیہ کسی بھی عہد میں لکھا جائے ذہن شاعر میں انسانی جذبات کے سوتے اگر خشک ہو جائیں تو پھر شاعری آفاقی تاثر سے محروم ہوجائے گی۔ ہر دور کا مرثیہ ایک اخلاقی نظم کا درجہ ضرور رکھتا ہے لیکن اگر مرثیہ نگاری کا مقصد ہی یہ سمجھ لیا جائے کہ صرف اخلاق کا درس دیتا ہے تو مرثیے کمزور قسم کے بند ناموں میں تبدیل ہوجائیں گے اور ان کی شاعرانہ صفات معدوم ہوتی چلی جائیں گی۔ مرثیے کی بقا غیر شاعرانہ یا مبلغانہ مزاج میں پوشیدہ نہیں ہے بلکہ اس کی بقا کا راز اس کی شاعرانہ عظمت میں ہے۔

بیسویں صدی میں جب پہلی بار، جدید مرثیے، کے حوالے سے بعض شعری تخلیقات سامنے آئیں تو انہیں مسدس کا نام دیا گیا، اس کی سب

سے بڑی وجہ یہی تھی کہ جدید مرثیے کے متعلق لوگوں کے سامنے کوئی واضح تصور نہیں تھا۔ اس قسم کی رائے رکھنے والے عموماً وہ لوگ تھے جو اس نئے مرثیے کو انیسؔ و دبیرؔ کے خلاف بغاوت تصور کر رہے تھے۔

یہ سوال اپنی جگہ بہت اہم ہے کہ جدید مرثیے کی کیا تعریف کیا جائے۔ قدیم مرثیے کی تعریف متعین کرنا نسبتاً آسان تھا۔ اس کے اجزاء مقرر تھے۔ ایک ڈھانچہ تھا، ایک فریم تھا، ایک سمت تھی مگر اب مرثیے کی کوئی ایک سمت نہیں ہے یہی سبب ہے کہ جدید مرثیے کو تعین کرتے ہوئے بھی لکھنے والوں کی تحریروں میں الجھاؤ پایا جاتا ہے۔

## جدید مرثیہ کیا ہے؟

اس اہم سوال پر غور کرنے سے پہلے خود ایک سوال جو سامنے آجاتا ہے وہ یہ ہے کہ جدید ادب کیا ہے اور جدید شاعر کسے کہا جائے گا؟۔ جدید ادب کیا ہے؟۔ اس کا جواب پروفیسر ممتاز حسین نے ان لفظوں میں دیا ہے۔ ''نئے طرز فکر اور معاشرت میں جو تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں نئے تجربات جن سے سابقہ پڑتا ہے ان کی ترجمانی کی جائے تو اس سے جدید ادب کا تصور پیدا ہوتا ہے۔'' اور جدید شاعر کسے قرار دیا جائے اس کی وضاحت فیض احمد فیضؔ نے ان لفظوں میں کی ہے ''معاشرہ جب بدلتا ہے تو معاشرے میں تقسیم کے طریقے بھی بدلتے ہیں، سوچنے کے طریقے بھی بدلتے ہیں۔ جب یہ سب کچھ بدلتا ہے تو جو شاعر ان سب چیزوں کا اظہار صداقت سے کرتا ہے وہ جدید ہوتا ہے''

ہمارے شعر و ادب کی تاریخ میں جدید کا تذکرہ ۱۸۵۷ء کے بعد خاص طور پر نمایاں ہوا اور مختلف نثری اور شعری اصناف میں عصری تقاضوں کی ایک لہر پھیل گئی۔ یورپ میں عصری تقاضوں پر گفتگو انیسویں صدی کے آغاز ہی سے نظر آتی ہے۔ ہمارے یہاں حالیؔ و سرسیّد کے عہد کی نگارشات میں روح عصر کو جگہ دی جانے لگی تھی اس لفظ کا استعمال اردو کے تنقیدی ادب میں بیسویں صدی کے ربع اول کے بعد زیادہ واضح صورت میں ابھر کر سامنے آیا اور حوالے سے مباحث کے بہت سے دروازے کھلنے لگے اور عصری تقاضوں پر نئے نئے زاویۂ فکر سے بات کی جانے لگی۔ کسے انکار ہوگا کہ ادب سماج سے الگ کوئی مجرّد حقیقت نہیں ہے وہ سماج کی تصویر ہے ہر عہد کی تخلیقات اپنا خام مواد اپنے عہد کے سیاسی، سماجی علمی فکری اور تہذیبی ماحول ہی سے حاصل کرتی ہیں۔ اگر عہد کے تقاضوں کی طرف سے آنکھیں بند کر لی جائیں تو تخلیقی سوتے بھی بند ہو جاتے ہیں۔ ادب میں جب جدید و قدیم کی بات کی جاتی ہے تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ ذہنی بلوغت، تہذیبی پختگی، تدریجی ارتقا اور روشن خیالی کو پیش نظر رکھ کر کچھ اصول قائم کئے جا رہے ہیں۔ اس دور میں انسان زندگی کے ایک بالکل ایسے موڑ پر کھڑا ہے جہاں سے سیاسی، سماجی، مذہبی، معاشی علمی و اخلاقی تبدیلیوں کے سارے پیچ و خم صاف نظر آ رہے ہیں۔ زندگی کا غایتی میلان کائنات کی طلسم کشائی اور اقتصادی مہم جوئی کی طرف ہے۔ تر و تازہ فکری رویے قرطاس و قلم کی چھاؤں میں آگے بڑھ رہے ہیں۔ بڑی طاقتوں کے ریاکارانہ تیور، ایٹمی جنگ کا خوف، فلک بوس عمارتوں کے پس منظر میں افلاس زدہ انسانوں کے چہرے، حقوقِ انسانی کی مسلسل پامالی، آج کی زندگی انہی حدود میں مقیّد ہے۔ آج کا مزاج کل کے مزاج سے یکسر مختلف ہے مزاج کی تشکیل اجتماعی اور انفرادی میلانات سے ہوتی ہے۔

موجودہ دور کے اجتماعی میلانات کیا ہیں؟ سرمایہ و محنت کی کشمکش، سیاسی نظام میں فکری آزادی کی جدوجہد، امن کی تلاش، ماضی کی تاریخ

کے ان زندہ عناصر اور عوامل کی دریافت جن کی بقاء کے لیے، حق گوئی اور انصاف طلبی کے لیے اور آدمیت کے احترام کے لیے لوگوں نے ہر نوع کی قربانیاں دی ہیں اور انفرادی میلانات! ہم نوا کی تلاش، تنہائی کا احساس، خیالات، نظریات اور کلیات و مسلمات کو جوں کا توں قبول نہ کرنا، حالات کا تجزیہ کرنا، مصلحت کوشی اور ضمیر فروشی سے حتی الامکان گریز اور نفرت کسی ایک کا مذہب کا ہوتے ہوئے بھی دوسرے مذاہب کے انسانوں سے محبت۔ انسانی زندگی کا سفر اس صدی میں انہی تغیرات و تفکرات سے زیادہ الجھا رہا ہے بقول سید سبط حسن یوں تو ہر صدی تاریخ پر اپنا نقش جماتی گزر جاتی ہے لیکن بیسویں صدی کے گذشتہ پچاس ساٹھ سال میں زندگی کے ہر شعبے میں جو تبدیلیاں آئی ہیں ان کا تصور بھی آسان نہیں چہ جائے کہ ان پر تبصرہ کرنا" ادب، زندگی سے الگ رہ کر کوئی تصور نہیں رکھتا اس لیے ادب کو بھی ہمیں زندگی کے اسی فریم میں دیکھنا ہوگا جس کا ابھی ذکر کیا گیا۔ ادب کے تقاضوں اور عصرِ جدید کے تقاضوں میں بظاہر کوئی ایسی مغائرت نہیں کہ ان کا تذکرہ ساتھ ساتھ کرتے ہوئے کترایا جائے۔ ادب زندگی کا دوست بھی ہے اور اس کا رہنما بھی، ادب اپنی تخلیقی سرگرمیوں سے انسان کو ہمیشہ اقدار حیات اور مقاصد حیات کی نئی صبحوں سے آگاہ کرتا ہے۔ یہی وہ منزل ہے جہاں ادب کے اپنے رویے کو زیادہ اہمیت حاصل ہوتی ہے۔

تمام علوم خصوصاً ادب کا غایتی میلان یہی ہوتا ہے کہ انسانیت ہر محاذ پر برتری حاصل کرے، زندگی کے محرکات سے وہ چشم پوشی نہیں کرتا۔ ادب زندگی کے محرکات سے کٹ کر لکھا تو جا سکتا ہے مگر ایسا ادب اپنی کھوکھلی بنیادوں کی وجہ سے بہت دیر تک اپنے پیروں پر کھڑا نہیں رہ سکتا۔ انیسؔ اور ان کے معاصرین کے مرثیے میں اس سماجی و سیاسی شعور کا یقیناً فقدان ہے جو انگریزوں کی آمد اور ان کے اقتدار کے بعد کسی نئی سمت کے تعین کی طرف بڑھ رہا تھا لیکن زندگی کی جن قدروں کو، انسانیت و مظلومیت کی جس عالمگیریت اور رشتوں کی پاسداری کی جس عظمت کو انہوں نے لکھا تھا اس نے ان کی تخلیقات کو زندہ رکھا۔

اس صدی میں جدید مرثیے کی اہمیت کو قائم کرنے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ انیسویں صدی کے مرثیے کو یکسر رد کر دیا جائے۔ مرثیے کے کلاسیکی لٹریچر میں جو مثبت اور تعمیری قدریں ہیں وہ مرثیے کی موجودہ تہذیب تخلیق اور تعمیر و تنظیم کے لیے اساسی حیثیت رکھتی ہیں۔ ہم جب ماضی سے فیضیاب ہونا چاہتے ہیں یا ماضی کی طرف دیکھتے ہیں تو یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ پیچھے ہٹنے کا عمل ہو۔ عموماً بڑی جست لگانے کے لیے آدمی کو پیچھے کی طرف سرکنا ہی ہوتا ہے، ہم حال کو ماضی سے کاٹ کر نہیں دیکھ سکتے۔ کلاسیکی مرثیے کی روایات کو محض اس بنیاد پر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ ان کا تعلق ماضی سے ہے۔ رد و قبول کی بنیاد غیر آفادی اور غیر تعمیری روایات ہوں گی۔

انیسؔ کے عہد کا مرثیہ اس وجہ سے قدیم یا جوشؔ کے عہد کا مرثیہ اس وجہ سے جدید نہیں کہا جائے گا کہ وہ مرثیہ کیوں کہ انیسویں صدی میں کہا گیا اس لیے قدیم ہے اور یہ مرثیہ کیوں کہ بیسویں صدی میں لکھا گیا ہے اس لیے جدید ہے قدیم مرثیے اور جدید مرثیے کے درمیان فرق کو زمانے کے نقطہ نگاہ سے نہیں دیکھیں گے یہ فرق فکر و نظر، طرز احساس، اسلوب، رویے، طرف اظہار اور روح عصر کے پیمانوں سے ناپا جائے گا۔

جب قطع کی مسافت شب آفتاب نے (میر انیسؔ)
جب ہوئی طالع زمانے میں تمدن کی سحر (جوشؔ)

میر انیسؔ اور جوشؔ کے مرثیوں کے ان مطلعوں کے درمیان پوری ایک صدی کھڑی ہوئی ہے فکر انسانی جس سطح پر پہنچ گئی ہے اور آج کا

انسان جس انداز سے سوچ رہا ہے جوشؔ کا مصرع اس کا بھرپور عکاس ہے یہ ایک حقیقت ہے کہ سماج میں جب انقلابات آتے ہیں تو معاشی، فکری اور ذہنی صلاحیتوں میں بھی تموج پیدا ہوتا ہے۔ آج کی دنیا تعلیمی اعتبار سے اتنا آگے بڑھ چکی ہے کہ نوجوان ذہن کائنات کی ہر شے میں ایک انقلابی تبدیلی چاہتا ہے۔ واقعات کو نئے رجحانات اور نئی فکری فضا میں دیکھنے اور سمجھنے کے رویے بھی اس عہد میں زیادہ اجاگر ہوئے۔ خود واقعہ کربلا اپنی تمام عظمتوں کے باوجود پرانی قدروں سے ہٹ کر نئی سوچ کی طرف بڑھنے لگا۔

تیرہ سو سالہ یادگارِ حسینؑ کی تحریک اسی ذہنی انقلاب کا پیش خیمہ تھی، مخالف و موافق نظریات رکھنے والے حلقوں نے اس تحریک میں حصہ لیا۔ کچھ گہما گہمی بھی پیدا ہوئی پھر بھی اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ نوجوان ذہن واقعہ کربلا کو ئی قدروں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے بے چین و مضطرب تھا۔ چاہے آپ یادگارِ حسینؑ اور شہیدِ انسانیت کے اس تاریخی پس منظر کو یا ان روایات کو تسلیم نہ کرتے ہوں جو مسئلہ آپ'' سے تعلق رکھتی ہیں پھر بھی نئی روشنی کے نوجوانوں کو یہ ماننے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ واقعۂ کربلا محض ایک ایسا مجاہدہ تھا جس کا تعلق صرف نہر فرات سے تھا۔ آج کا نوجوان ذہن مختلف اقوام میں پھیلی ہوئی اس تاریخی روشنی سے ہٹ کر کچھ بھی نہیں سوچ سکتا کہ اسپارٹا کا قائد حریت اپنے ملک کی بقا اور تحفظ کے لیے کئی دن تک بے آب و دانہ ایڑیاں رگڑتا رہا۔ قدیم انداز کے مرثیوں میں واقعہ کربلا کی جو تفصیلات پیش کی گئی ہیں بلاشبہ نفسیاتی طور پر وہ اپنے موضوع سے قطعاً دور نہیں ہیں۔ لیکن اس تحقیقی دور میں جب کہ ہر پڑھا لکھا ذہن تحقیقی ثبوت چاہتا ہے۔ ذہنی طریقہ پر اس کا الجھ جانا ناقابل فہم بھی نہیں ہے۔ یہ بات اس لیے عرض کرنا پڑی کہ ارضِ نینوا کا المیہ زمانہ ماقبل تاریخ کا دردناک حادثہ نہیں ہے بلکہ ۶۱ھ کا واقعہ ہے جب کہ مسلمانوں نے علم الحدیث کے ساتھ ساتھ رجال کے اصول اور قاعدے بھی منضبط کر لیے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آج اسلام اپنی تاریخی روایات کو مستحکم بنیادوں پر قائم کیے ہوئے ہے۔ طبری ہو یا سیوطی، ابن خلدون ہوں کہ یعقوبی، یہ بے شمار مورخین انہی روایات کے بل بوتے پر مورخ سمجھے جاتے ہیں جن کی سچائی اور صداقت کو پرکھنے کے لیے مسلمانوں کے ذہن نے بہت سے معیار کر رکھے ہیں۔ مسلک اور عقیدے کی بحث نہیں یہ جادہ تو ایسا ہے کہ جس میں عموماً ہوش کم اور جوش زیادہ ہوتا ہے اسی لیے تاریخ کی بہت سی حقیقتیں تسلیم کرنے کے باوجود بھی بسا اوقات جھٹلا دی جاتی ہیں۔ ہم قدیم اور جدید مرثیے کے فرق کو شعور نو کی روشنی میں دیکھیں گے تو فکر کے بہت سے دریچے کھلتے جائیں گے، قدیم اور جدید مرثیے کے فرق کو سمجھ لیا جائے تو جدید مرثیے کی تعریف خود بخود واضح ہو جائے گی۔

مرثیہ قدیم ہو یا جدید، ظاہر ہے کہ دونوں کا موضوع واقعہ کربلا ہے واقعے کے حقائق میں یا اس کی تاریخی ترتیب میں کسی طرح کا ردّ و بدل یا تغیر ممکن نہیں ہے۔ البتہ شاعر شعورِ نو کی روشنی میں جب اپنے عہد کے سیاق و سباق میں اس کو دیکھتا ہے تو اس کا طرزِ فکر بدل جاتا ہے۔ فکر کی اسی تازہ خیالی سے واقعے کی عظمت کھلنے لگتی ہے۔ پرانے مرثیہ گو شعراء کے مرثیوں کا مطالعہ کرتے ہوئے ہمیں احساس ہوتا ہے کہ کوئی بہت ہی اہم واقعہ رونما ہوا تھا اور آج کے مرثیہ گو شعراء کے مرثیوں کے مطالعے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کوئی عظیم واقعہ رونما ہوا۔ انیسؔ و دبیرؔ اور ان کے معاصرین میں واقعۂ کربلا کی عظمت بحیثیت مجموعی نظر نہیں آتی ان کا لگاؤ خالص روحانی تھا۔ جدید مرثیہ نگار اس مفروضے کے ساتھ چلتا ہے کہ واقعات تو سب کو معلوم ہیں۔ پرانے مرثیہ نگار واقعات بتاتے ہیں، جدید مرثیہ نگار کی منزل واقعات کے بعد شروع ہوتی ہے۔ اسے ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ پرانے مرثیے میں واقعۂ کربلا ہے نئے مرثیے میں کربلا ہے دوسرے لفظوں میں قدیم مرثیہ مشاہدہ ہے۔ جدید مرثیہ

مطالعہ، قدیم مرثیے میں حالات کی حالات سے جنگ تھی جدید مرثیے میں خیالات کی خیالات سے جنگ ہے۔قدیم مرثیے ڈرامائیت لیے ہوتے ہیں جبکہ جدید میں ڈرامائی عناصر کم ہیں لیکن جہاں ہیں وہاں ایک فکری روضرور موجود ہے۔جدید میں کردار نگاری بھی ہے لیکن تاریخ نگاری زیادہ ہے۔قدیم مرثیے میں عنوان صرف حسینؑ اور اصحابِ حسینؑ ہیں متن میں بھی یہی ہیں۔جدید مرثیے میں پوری انسانی تاریخ کربلا کے پس منظر وپیش منظر کے ساتھ موجود ہے۔قدیم مرثیے میں شادی بیاہ کے رسوم، صبح وشام کے مناظر، گھوڑا، تلوار اور بین کا انداز ایک مخصوص تہذیب کے ترجمان تھے جدید مرثیہ نگار کے یہاں مرثیہ تہذیب نہیں سیاسی اور دینی اصلاح کی تحریک ہے۔قدیم مرثیے میں بین بالتفصیل ہیں، جدید میں مختصر اور بالکنایہ اکثر قدیم شعراء نے بین میں اعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا ہے جبکہ بعض جدید مرثیہ نگاروں نے بہت باوقار بین لکھے ہیں۔قدیم مرثیہ گو کے یہاں حسینؑ خاندانی فضیلت کا مجموعہ اور تمام انبیاءؑ کرام کا شرف تھے وہ نوعِ انسانی کے دینی لحاظ سے نجات دہندہ تھے ان شعراء نے خاندانی رشتوں میں امام حسینؑ کو دیکھا تھا جدید مرثیہ نگار شعراء کے یہاں بھی یہ رشتے ہیں لیکن ایک طرزِ فکر یہ بھی ہے کہ اگر انہیں یہ نسبی فضیلت نہ بھی حاصل ہوتی تو بھی وہ اپنے عظیم ہونے کی خود ایک گواہی تھے۔شہادت ان کا مقدر تھی وعدہ طفلی اور مذہبی مائیتھالوجی کی آمیزش کے بغیر بھی وہ شہادت ہی کے لیے بنے تھے۔تاریخ نے انہیں ایک انقلاب آفریں ہیرو کی حیثیت سے منتخب کر لیا تھا اسی لیے وہ ہر عہد کی تاریخ کے لیے فیضان بن گئے۔کل کے مرثیے میں یزید کے فاتح ہونے کا احساس نمایاں ہوتا ہے اور حسینؑ مفتوح نظر آتے ہیں۔آج کے مرثیے میں یزید مفتوح ہے اور حسینؑ فاتح۔کل کے مرثیے میں حسینؑ صرف مظلوم تھے۔آج کے مرثیے میں حسینؑ مظلوم کی شجاعت اور شجیع کی مظلومیت ہیں۔قدیم مرثیہ نگار کے ہاں حسینؑ کی مظلومیت کا احساس مجبوری وبیکسی کی فضا میں ابھرتا ہے۔

تب عابدِؑ بیکس کو پکارے شہِؑ بیکس (دبیرؔ)

لیکن جدید مرثیے میں حسینؑ اپنے کمال ثبات وصبر اور اختیار کے ساتھ نظر آتے ہیں۔قدیم مرثیوں کے چہروں میں صبح کے مناظر اور ساقی نامے میں زندگی کے جمالیاتی رُخ بہت اجاگر ہیں جبکہ جدید مرثیوں کے چہروں میں زندگی اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ نمایاں ہے اس میں شعورِ انسانی کی ضوباری بھی ہے۔حیات وکائنات کے ارتقاء پذیر عمل کی تانبا کی بھی ہے۔تہذیب وثقافت کی درخشندہ صبحیں اور تمدنِ جدید کے کروٹ لیتے ہوئے افکار کی گرم روانی بھی۔انسان کے سماجی، سیاسی، فکری اور اقتصادی امور کی پراگندگی اور اس پراگندگی کے اسباب سے اخذ کی جانے والی گمشدہ منزلوں کی روشنی کے رنگ جدید مرثیے کے چہرے میں اپنی گہری کیفیات کے ساتھ موجود ہیں۔

www.emarsiya.com

دنیا کی سب سے بڑی ڈیجیٹل مرثیہ لائبریری جہاں آپ انیسؔ و دبیرؔ کے مکمل مطبوعہ مراثی کے علاوہ ۳۲۰ مرثیہ نگاروں کے ۴۰۰۰ سے زائد مراثی حاصل کر سکتے ہیں۔سوزخواں خواتین و حضرات کے لیے بستۂ سوزخوانی کا بھی انتظام ہے۔اگر آپ مزید مراثی اس ویب سائٹ پر شامل کرنا چاہیں تو اس ای میل پر رابطہ کریں۔

faroghemarsiya@gmail.com

# غیر مطبوعہ مرثیہ ''عصرِ آشوب''

شہابؔ صفدر

یا رب گناہ بخش مرے والدین کے (۱) دونوں عزا گزار تھے مولا حسینؑ کے
پڑھتے قصیدے فاتحِ بدر و حنین کے رو کر سناتے نوحے بھی زہراؑ کے چین کے
ان کی توجہات نے ایسا کرم کیا
بندے نے کم سنی میں قلم کو علم کیا

کچا مکاں بہ تنگی و عسرت گزر بسر (۲) وافر مگر ولا و مؤدت کا مال و زر
دل میں علیؑ کے عشق کے یاقوت معتبر آنکھوں میں نامِ شہؑ کے چمکتے ہوئے گہر
یوں سیر ہو گئے غمِ فاقہ نہ کچھ رہا
دنیا کے بیش و کم سے علاقہ نہ کچھ رہا

ابّا کی سچی باتیں بہت دل کو بھاتی تھیں (۳) اماں ادب سے بی بیؑ کی چادر سناتی تھیں
وہ سوزِ غم کہ چولھا بھی کم کم جلاتی تھیں صدمے سے چارپائیاں الٹی بچھاتی تھیں
آرام کا خیال نہ سونے کی فکر تھی
بس یادِ اہلِ بیتؑ میں رونے کی فکر تھی

آتے عزا کے دن تو یہ ہوتا عجیب حال (۴) مقتل کو جیسے جاتا ہو اب فاطمہؑ کا لال
عاشورہ کو تو رہتا نہ گھرداری کا خیال روتے تھے دھاڑیں مار کے سب خورد و کہنہ سال
کوئی جواں ہو قتل اڑے ہوتے ایسے ہوش
جاتے عزا کدے کو کھلے سر سیاہ پوش

ذاکر بیان کرتا تھا اک ایک واقعہ (۵) اکبرؑ نے دی اذاں تو ہوا حشر سا بپا
خیموں سے کیسے نکلا وہ ہمشکلِ مصطفیٰؐ کس رنگ میں حسینؑ کا یوسفؑ ہوا جدا
دیکھو تو اہلِ ظلم کا گھیرا ہے چار سُو
اکبرؑ تمھارے بعد اندھیرا ہے چار سُو

(۶)

کرتا سخن جو درد بھری لے میں روضہ خواں
مجلس میں آنے والوں کی بندھ جاتی ہچکیاں
لاتا اٹھا کے سرخ سی پگڑی جو اک جواں
بڑھتیں صدائیں گریے کی اتنی کہ الاماں
میں سوچتا نہیں جو سماعت کا حوصلہ
کھینچے وہ رنج و آہ امامت کا حوصلہ

(۷)

قاسمؑ کی مہندی آئی تو سب مائیں کرتیں رش
اصغرؑ کا جھولا دیکھ کے بہنوں کو آتا غش
تلواریں سونتے آتے جوانانِ شعلہ وش
پرچم اٹھائے آتا کوئی مردِ نالہ کش
رسمیں یہ کشتہ شمعوں کو تابندہ کرتی تھیں
جذبوں میں پھر سے پھونک کے جاں زندہ کرتیں تھیں

(۸)

وہ آخری سلام کو آنا امامؑ کا
رخصت کے نام سے لرز اٹھنا خیام کا
میداں میں پہلے جلوہ دکھانا حسام کا
پھر اس کے رخ پہ ڈالنا پردہ نیام کا
حملہ پلٹ پلٹ کے سپاہِ شریر کا
لاکھوں کا اک ہدف وہ پسرِ قلعہ گیر کا

(۹)

خنجر گھماتا آتا ہے وہ شمرِ بد گہر
مصروف رب کے سجدے میں ہے شاہِؑ بحر و بر
ملعون تیرہ ضربوں سے کرتا قلم ہے سر
ستّر قدم پہ زینبؑ مضطر ہے نوحہ گر
اے حامیانِ حق کے نگہبان الوداع
اے ناسپاس قوم کے مہمان الوداع

(۱۰)

منبر ہے نوکِ نیزہ شہؑ مشرقین کا
اوڑھے ہے رنگ دن کو فضا مغربین کا
نوبت بجی بلند ہوا شور بین کا
اے مومنو اٹھاؤ جنازہ حسینؑ کا
ماتم کناں جلوس چلا سوئے کربلا
رنگیں نیازِ خوں سے ہوا روئے کربلا

(۱۱)

صحرا لہو لہو ہے غریبوں کی شام ہے
دل دوز کتنی رنج نصیبوں کی شام ہے
محتاج ذاکروں نہ خطیبوں کی شام ہے
سچے حسینیتؑ کے نقیبوں کی شام ہے
جو خوں بہا کے اپنا یہ اعلان کرتے ہیں
ہم جان راہِ صدق پہ قربان کرتے ہیں

(۱۲)

اس شام کے خیال سے ہوتا ہے خون دل
دامن میں ہر سحر کے سموتا ہے خون دل
پہنائیوں میں رات کی بوتا ہے خون دل
پینتیس سال گزرے پہ روتا ہے خون دل
چلتی ہے موج سینے میں تھر تھر لہو لہو
ہوتے ہیں آس پاس کے منظر لہو لہو

انّیس سو اٹھاسی ستمبر کی تیس تھی اک موجِ خوں سے دل میں اٹھی غم کی ٹیس تھی (۱۳)
درد و اثر میں شام کلامِ انیسؔ تھی غربت رفیق نوحہ گری ہم جلیس تھی
مظلوم بے زبان تھے ظالم تھے بے ضمیر
جو کر سکے نہ قتل انھیں کر لیا اسیر

بابا تھے زخمی اور میں پابندِ ظلم تھا قاضی شریح شہر کا پیوندِ ظلم تھا (۱۴)
کھائے ہوئے اسیر بھی سوگندِ ظلم تھا بزدل ہر ایک رستم و اسفندِ ظلم تھا
مظلوم کے حمایتی بس خال خال تھے
انسانیت کے چہرے کا لیکن جمال تھے

روتا تھا خون دل مرا سجادؑ کے لیے بے جرم ایک مضطر و ناشاد کے لیے (۱۵)
اٹھے جو ہاتھ غیب سے امداد کے لیے ساعت رکی سماعتِ فریاد کے لیے
دقت سے فاصلے کی مگر فیصلہ ہوا
قیدی اسیرِ شام کے صدقے رہا ہوا

موقع پہ کتنے شہؑ کے ثنا گر ہدف ہوئے ہم نامِ جونؑ و بوذرؓ و قنبرؑ ہدف ہوئے (۱۶)
وہ ''پانچ'' '' چودہ'' اور'' بہتّر'' ہدف ہوئے کیا کیا غلامِ آلِؐ پیمبرؐ ہدف ہوئے
پتھر تھا دیدہ ور جو ذرا دل نرم تھا
ہر سمت صرف موت کا بازار گرم تھا

یوں ہوتے ہوتے شہر پہ چھایا ستم کا ابر ملتی نہ تھی شہیدوں کے لاشوں کو جائے قبر (۱۷)
ابنِ زیاد بن گئے بستی کے اہلِ جبر چن چن کے مارے جانے لگے عارفانِ صبر
ہر کوچہ دیو خوف نے مقتل بنا دیا
آباد و شاد شہر کو جنگل بنا دیا

تہوار میلے ریتیں بھی وقفِ الم ہوئیں شبراتیں اور عیدیں بھی وقفِ الم ہوئیں (۱۸)
شامیں فسردہ صبحیں بھی وقفِ الم ہوئیں آنگن محلے جھوکیں بھی وقفِ الم ہوئیں
چھینٹوں سے خون کی در و دیوار لال تھے
سیلِ الم میں ڈوبے ہوئے ڈیرے وال تھے

کیسے کروں بیان جو ٹوٹیں قیامتیں کس چوک کس گلی میں ہوئیں کیا شہادتیں (۱۹)
اٹھیں ستم کے دور میں گھر گھر میتّیں مفقود ہو کے رہ گئیں جینے کی صورتیں
اک ایک دن میں دسیوں شہیدِ جفا ہوئے
جاں دادۂ ہوائے بہشتِ وفا ہوئے

وہ ڈیرہ جس کو پھولوں کا سہرا کہا گیا (۲۰) تنگ اس پہ کر دو کانٹوں کا گھیرا کہا گیا
امن و اماں کا مسخ ہو چہرہ کہا گیا میرا بھی قتل کام ہے میرا کہا گیا
مفرور غیبی ہاتھ ہوا کرے پاش پاش
سو ٹکڑے ہو کے آپ اٹھائی ہے اپنی لاش

ساجدؔ کہ شاخِ عمر پہ مہکا گلاب تھا (۲۱) روشن مثالِ آئینہ اس کا شباب تھا
خوش رنگ جس کا مجلۂ تعبیرِ خواب تھا جب تر ہوا لہو میں تو اک آفتاب تھا
اب تک جو میرا خامۂ دلگیر سرخ ہے
قرطاس زخم زخم ہے تحریر سرخ ہے

اشفاقؔ میرا نام ہے جوادؔ میرا نام (۲۲) میں ہوں نیازؔ، اکبرؔ و امدادؔ میرا نام
شاہدؔ، منیرؔ، باسطؔ و فوادؔ میرا نام عارفؔ، رجبؔ، نجفؔ، علیؔ، فرجادؔ میرا نام
زیدیؔ ہوں کاظمیؔ کہ بخاریؔ سب ایک ہیں
بے سر دمِ شہید شماری سب ایک ہیں

ممتازؔ مظہرؔ اور کفایتؔ شہید ہیں (۲۳) محمودؔ قاصدؔ اشرفؔ و عظمتؔ شہید ہیں
عمرانیؔ خانداں کے لیاقتؔ شہید ہیں اس گھر کے فخر و ناز نزاکتؔ شہید ہیں
اک وقت میں جنازے اٹھے ہیں کئی کئی
مقتل نواح و گرد کھلے ہیں کئی کئی

جتنی شہادتیں ہوئیں ڈی آئی خان میں (۲۴) کرب و بلا کا رنگ ہے ان کے بیان میں
ترکِ وطن کا ذکر بھی ہے داستان میں پر ہول جنگلوں کی مسافت ہے دھیان میں
چھوٹے بڑے ضعیف و توانا ہوئے شہید
بادِ سموم سے گلِ رعنا ہوئے شہید

انّیس تھی اگست کی سن دو ہزار آٹھ (۲۵) بجرا لگا امید کا دریائے خوں کے گھاٹ
بکھرے تھے لوتھڑے ہو قصائی کی جیسے پاٹ پھینکے جو آس پاس ذبیحے کو کاٹ کاٹ
کتنوں کی قتل گاہ شفا خانہ بن گیا
اک حادثاتی وارڈ عزا خانہ بن گیا

کیا دل ربا چراغ تھے زیدِ شہید کے (۲۶) مقتول صدیوں بعد سپاہِ یزید کے
ساغرؔ مودتؔ آئینے ایوانِ دید کے ریحانؔ و شانؔ عکسِ تمنا سعیدؔ کے
فرقانؔ و فضلؔ و امجدؔ و زینؔ ایسے کتنے چاند
افسوس ہو گئے فقط اک ثانیے میں ماند

(۲۷)
آیا سمجھ میں قول یہ صادق امامؑ کا عاشورہ سارے دن ہیں ہر اک شہر کربلا
محدود ڈیرے تک نہیں گو اس کا دائرہ دیکھا مگر ان آنکھوں نے جو کچھ یہاں ہوا
بے حرمتی جنازوں کی جب یاد آتی ہے
ہر صبحِ نو کو شامِ غریباں بناتی ہے

(۲۸)
ہر قبر کے سرہانے پہ پرچم حسینؑ کا ہر قتل پر بپا ہوا ماتم حسینؑ کا
شادی میں بھی شریک رہا غم حسینؑ کا شوّال بن گیا ہے محرّم حسینؑ کا
بیٹے بھتیجے بھانجے جس جس نے کھوئے ہیں
لگ کر گلے حسینؑ کی غربت پہ روئے ہیں

(۲۹)
نوشہ کی لاش اٹھائی تو یاد آئی کربلا بچھڑے جوان بھائی تو یاد آئی کربلا
بہنوں نے دی دہائی تو یاد آئی کربلا ماں کوئی تلملائی تو یاد آئی کربلا
الفاظِ غم نے ڈھونڈ لی مفہوم کی پناہ
آشوبِ عصر کو ملی مظلوم کی پناہ

(۳۰)
چھلنی کلیجہ کر دیا ماؤں کے بین نے قاسمؑ کے ٹکڑے کیسے اٹھائے حسینؑ نے
رستہ دیا جو لشکروں کے شور و شین نے دیکھی اخیرِ ظلم شہِؑ مشرقین نے
اک پھول جیسے جسم کا کیا حال ہو گیا
یکسر سموں سے گھوڑوں کے پامال ہو گیا

(۳۱)
حلقے کو توڑ گھوڑا بڑھا خیمہ گاہ کو خاموش دیکھ مادرِ قاسمؑ نے شاہؑ کو
کی عرض اذن دیں تو ملوں رشکِ ماہ کو روشن کیا ہے جس نے شہادت کی راہ کو
بیٹے کی سرفرازی سے خورسند ہے یہ ماں
مولا رضائے حق پہ رضا مند ہے یہ ماں

(۳۲)
کیا بے مثال بیوۂ شبرؑ کا صبر ہے حلمِ حسنؑ یتیم کی مادر کا صبر ہے
ظاہر میں ہاجرہؑ کے برابر کا صبر ہے فی الاصل حدِّ صبر سے اوپر کا صبر ہے
پھر کون ماں وقارِ شہادت بڑھائے گی
مہندی لگا کے خون کی منت بڑھائے گی

(۳۳)
قاسمؑ کی ماں کا حوصلہ مضبوط ڈھال ہے تا حشر ماؤں کے لیے عمدہ مثال ہے
درسِ کمالِ صبر میں کیا قیل و قال ہے لیکن بہائے خوں کا بیاں حسبِ حال ہے
یہ ڈیرہ ڈیرہ سرخ پھریرے قطار میں
مومن ہیں منتقمؑ کے شہابؔ انتظار میں

# انجمؔ جائسی کی مرثیہ گوئی

لئیق رضوی

سید صغیر احمد رضوی انجمؔ (۱۹۳۵ء۔۲۰۲۰ء) دبستانِ جائس کے نمائندہ شعرا میں شمار ہیں۔ ۲۳/اپریل ۱۹۳۵ء کو آپ یہاں ایک علم و ادب دوست گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم جائس میں ہوئی اور پھر الہ آباد آ گئے، یہیں تعلیم مکمل کر کے 'جیپ فلیش لائٹ کمپنی' میں ملازمت کر لی۔ شعر و سخن کا شوق بچپن سے ہی تھا۔ طالب علمی کے زمانے میں باقاعدہ شاعری بھی شروع کر دی تھی۔ پہلے زوار کراروی اور پھر سروش مچھلی شہری سے مشورۂ سخن کیا۔ مشقِ مسلسل اور اساتذہ کے فیض سے فکر و فن میں جلا اور جلد ہی ادبی حلقوں میں پہچان بھی مل گئی۔ ۲۰ ویں صدی کے اواخر میں ملازمت انجمؔ جائسی کی ایک اور ہجرت کا سبب بنی اور آپ نے دہلی میں بود و باش اختیار کی۔ ۲۰۰۵ء وہ پھر وطن لوٹ آئے اور ۴ جولائی ۲۰۲۰ء کی شام یہیں اپنے مکان میں آخری سانس لی اور آبائی مقبرے میں سپردِ خاک ہوئے۔

انجمؔ جائسی کا تخلیقی سفر ۶۰ برس سے زیادہ کے عرصے پر پھیلا ہوا ہے۔ آپ نے اپنے فکر و فن سے جائس میں شعر و سخن کے دھارے کو رنگ بھی دیے اور رفتار بھی۔ غزل، نظم سمیت کئی اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے لیکن تقدیسی شاعری آپ کی تخلیقی صلاحیتوں کا اصل محور رہی۔ رثائی شاعری میں آپ کے جوہر اور بھی کھلے۔ نوحہ اور سلام تو کہ خوب کہتے ہی تھے عمر کے آخری پڑاؤ پر آپ مرثیہ گوئی کی طرف بھی راغب ہوئے اور اس باب میں بھی دستخط ثبت کر دیے۔ میرے پاس انجمؔ جائسی کا ایک غیر مطبوعہ مرثیہ ہے۔ جناب زینبؑ کے حال کے اس مرثیے میں ۳۶ بند ہیں۔ اس مرثیہ کا چہرہ شہادت امام حسینؑ کے بعد قیدی بنالی گئیں مقدرات عصمت و طہارت کو شام لے جانے کے دردانگیز منظر سے کھلتا ہے:

ہو چکے سیرابِ غم جب کربلا کے جام سے — قافلہ والے رسن بستہ چلے ناکام سے
شام کی تیاریاں تھیں کربلا میں شام سے — منزلیں ان کی کوئی پوچھے دلِ اسلام سے
پھول بن جائیں گے کانٹے راہ میں بونے تو دو
حضرتِ زینبؑ کو میر کارواں ہونے تو دو

اس تمہید کے بعد جنابِ زینبؑ کے مناقب اور حق و انصاف کی راہ میں آپ کے کارہائے نمایاں کا موثر اور فنکارانہ اعتراف نظم کیا گیا ہے۔ انجمؔ جائسی نے احساس و جزبوں کے حسین شعری پیکر تراشے ہیں۔ لفظوں کی ایسی متحرک تصویریں کہ بس اور یہیں سے حق پسندی اور جرآت مندانہ حق نوائی کی ادبی جمالیات ابھرتی ہے:

منزلیں راہ وفا کی تیرا اک اک گام ہے — تیرے سینے میں نہاں مظلوم کا پیغام ہے
کامیابی سے بھرا تیرا دلِ ناکام ہے — تیرا آغازِ سفر شبیرؑ کا انجام ہے
ہے جہاد زندگانی شام کی محفل تری
منزل کرب و بلا کی جان ہے منزل تری

چل کے راہ حق پہ روکا گردش ایام کو اور روشن کر دیا مظلومیت کے بام کو
ناز تھا بے پردگی پر سر زمینِ شام کو نیچی نظروں سے ابھارا غیرتِ اسلام کو
اہل ظلم و جور کو شرمندگی ہونے لگی
بے وفا دنیا تری بے داد پر رونے لگی

تیرے بازو جوہرِ دست خدا کے رازداں تیری نظروں پر امامت کی نگاہوں کا گماں
تیرے خطبوں سے ہے سوزِ نوع انسانی عیاں تیرا اک اک لفظ ہے مظلوم کی اک داستاں
تیرے خطبے واقعاتِ کربلا کی جان ہیں
ایک افسانہ مگر بدلے ہوئے عنوان ہیں

اس مختصر سے مرثیے کا کینواس بہت وسیع ہے۔اس میں منظر بھی ہیں اور پس وپیش منظر بھی۔جناب زینبؑ کے مناقب کے بعد شاعر کی نگاہ تخیل فلیش بیک میں جاتی ہے۔بیٹوں کو مرنے کے لئے سجا کر میدانِ قتال میں بھیجنا آسان نہ تھا لیکن دکھیاری مگر دلیر زینبؑ نے یہ معرکہ بھی سر کیا۔عونؑ ومحمدؑ کو راہِ حق میں قربان ہو جانے کی تلقین کرتی ماں کے یہ مکالمے ملاحظہ ہوں:

شکوۂ جور و جفا لب تک کوئی لانے نہ پائے پیاس کی شدت کسی عالم میں تڑپانے نہ پائے
جان جائے اہلِ حق کی بات اب جانے نہ پائے جعفرؑ طیار کی جرآت پہ حرف آنے نہ پائے
جنگ کے میدان میں جاؤ تو حیدرؑ کی طرح
توڑ دو دل دشمنوں کے بابِ خیبر کی طرح

تم بڑھو میداں میں باطل کو گھٹانے کے لیے خواب غفلت سے زمانے کو جگانے کے لیے
زخم کھانا قوت دل آزمانے کے لیے مسکرا دینا زمانے کو رلانے کے لیے
درد کی تاریخ بھر دینا لب خاموش میں
زندگی کو لے کے جانا موت کی آغوش میں

منظر ایک بار پھر بدلتا ہے۔یہ شام غریباں ہے۔خیامِ حسینؑ میں آگ لگا دی گئی ہے۔نبی ﷺ کی نواسیوں کے سروں سے چادریں چھینی جا رہی ہیں۔جانا، گرفتاریاں، بے کجاوا اونٹوں پر لٹے ہوئے حسینؑ قافلے کا سفر۔قدم قدم درد ہی درد۔سانحہ کربلا کے بعد جناب زینبؑ کی زندگی کے ان تمام دردناک لمحوں کو انجم جائسی نے سمیٹنے کی کامیاب کوشش کی ہے:

قتل رن میں ہو گئے سب نیزہ وشمشیر سے اک طرف عابدؑ تھے جکڑے طوق او زنجیر میں
چھن رہی ہے سر سے چادر شاہؑ کی ہمشیر سے کون ہے جو حال پوچھے زینبؑ دلگیر سے
صبر اور ایثار سے طے تو نے کی راہِ نجات
سر پہ ہے بارِ حسینؑ ہاتھ میں عابدؑ کا ہاتھ

تھرتھراتی تھی زمیں گردش میں تھا ارض وسماں خیمۂ مظلوم سے رہ رہ کے اٹھتا تھا دھواں
زینبؑ خستہ نے دیکھا رو کے سوئے آسماں اب کوئی مونس نہ یاور اور نہ عباسِؑ جواں
چھوڑ کر تنہا بہن کو ہو گئے شہؑ بھی جدا
ہے دعا اب موت آجائے مجھے بہرِ خدا

ہو بیکسوں پر کوہِ غم اس طرح ڈھا سکتا تھا کونتے طوق اور زنجیر عابدؑ کو پنہا سکتا تھا کون
گر عباس تو خیمہ جلا سکتا تھا کون چھین کر سر سے ردا در در پھر سکتا تھا کون
بعدِ شہؑ زینبؑ کو کیا کیا رنج و غم سہنا پڑا
ہر مصائب جھیل کر ثابت قدم رہنا پڑا

دل ہے واقف خواہر شبیرؑ کی توقیر سے ہو بہو شبیرؑ ہیں کردار کی تصویر سے
حوصلہ حاصل ہوا تھا حضرتِ شبیرؑ سے صبر کا دامن نہ چھوٹا شاہؑ کی ہمشیر سے
قید ہوکے جا رہی ہے شام کے بازار میں
سر کھلے روتی ہے زینبؑ مجمعِ اغیار میں

اپنوں کو کھو دینے غم اور قید و بند کی لاکھ مشکلوں کے باجود دربارِ شام میں علیؑ کی بیٹی کے جاہ وجلال نے ظالم کی پنڈلیاں تھرتھرا دیں:

جرآتِ عونؑ و محمدؑ تھی دلِ جانباز میں بازوئے حیدرؑ کی قوت تھی لب اعجاز میں
کربلا والوں کے دل تقریر کے انداز میں کتنی تلواروں کے جوہر تھے تری آواز میں
بن گئی تاریخِ غم تقریر کے انداز سے
ہوگیا زیر و زبر عالم تری آواز سے

یہ مرثیہ یوں ہی آگے بڑھتا ہے۔منظر بار بار اور جلدی جلدی تبدیل ہورہے ہیں ہیں۔غمزدوں کا قافلہ کربلا پہنچا ہے۔حواس پر درد انگیز جزبوں کا طوفان طاری ہے:

آئے قیدی چھوٹ کر پھر کربلا میں جس گھڑی بھائی کے لاشے پہ زینب پیٹ کر سر گر پڑی

بے گور وکفن لاشوں کی تدفین ہونی ہے مگر ہائے رے مجبوریاں۔ایسے میں دکھیاری فریاد کر اٹھتی ہے:

سر پہ چادر بھی نہیں کس طرح دوں تم کو کفن عابدؑ بیمار ہے ہمراہ میرے خستہ تن

آخری منظر حسینؑ قافلے کے وطن مدینہ پہنچنے کا ہے۔اپنا بھرا ہوا گھر لٹ جانے کا غم پھر تازہ ہوگیا۔یہ فطری بھی ہے:

آئے قیدی چھوٹ کے پھر کربلا میں جس گھڑی بھائی کے لاشے پہ زینبؑ پیٹ کر سر گر پڑی
زینبؑ دلگیر کے نزدیک تھی فضہؑ جھکائے سر کھڑی ہو گیا ماتم بپا اہلِ حرم میں اس گھڑی
بولی زینبؑ بھائی کو روتی رہوں گی تا ابد
شہؑ کے غم میں جان کو کھوتی رہوں گی تا ابد

اب مدینہ کربلا سے ہائے لٹ کے آئی ہوں عونؑ و جعفرؑ قاسمؑ و اکبرؑ کو کھو کے آئی ہوں
دل پہ ناناؐ ہیں بہتر داغ لے کر آئی ہوں آپ کے شبیرؑ کو مقتل میں رو کے آئی ہوں
پوچھے گی صغراؑ سکینہؑ کو تو کیا بتلاؤں گی
اور علی اصغرؑ کو جب پوچھے گی تو مر جاؤں گی

عمر کے آخری پڑاؤ پر انجمؔ جائسی نے بیمار کربلا امام زین العابدینؑ کے حال میں ایک مرثیہ اور بھی کہنا شروع کیا تھا لیکن مسلسل علالت اور پھر موت نے اسے مکمل نہ ہونے دیا۔ اس نامکمل مرثیے میں ۲۶ بند ہیں۔ انجمؔ کے سلام اور نوحے بھی بہت خاص ہیں۔ ان میں بھی بلا کی کیفیت ہے:

رفعت شاہ زمن اہل عزا کے ساتھ ہے ہر نفس جس کا عمل حق کی رضا کے ساتھ ہے
بعدِ شہؑ اعدا کو کوئی روکنے والا نہ تھا یورشِ غم اہلِ بیتِؑ مصطفیٰؐ کے ساتھ ہے

☆

سیرت سے ہے خود روشن زینبؑ کی جو عظمت ہے معصومہ کی بیٹی ہے معصوم طبیعت ہے
یہ شانِ عزاداری زینبؑ سے ہے اے انجمؔ شبیرؑ کا ماتم بھی زینبؑ کی بدولت ہے

☆

اے ارضِ کربلا مجھے تیرا سلام ہے تیرا ہی نام دوسرا جنت کا نام ہے
عابدؑ نے غش سے کھول دیں آنکھیں، تڑپ اٹھے زینبؑ کی جب صدا سنی جلتا خیام ہے

انجمؔ جائسی نے عوامی مراثی سے مستعار لب و لہجے میں بھی نوحے کہے ہیں۔ یہ نوحہ وہ اپنے مخصوص انداز میں پڑھتے بھی خوب تھے۔ ایک بند ملاحظہ فرمائیں:

بن کربل میں ما زینبؑ دکھیا رو رو دیت دہائی تم مر گئے بیرن دشت ما اور ہم کا موت نا آئی
تھا مو مو ہکا عونؑ و محمدؑ دیت نہیں ہے سجھائی سر ہے کھلا بن چادر مورا رسن بندھی ہے کلائی
پردے کا ساماں کرو قافلے والو چلو
اٹھو مدد کرنے کو قافلے والو اٹھو

رثائی شعر و سخن کے ساتھ ساتھ انجمؔ جائسی نے منقبت اور قصائد کی راہ میں بھی عقیدت کے خوش رنگ اور مہکتے ہوئے پھول کھلائے ہیں۔ مجموعی طور پر دیکھیں تو سید صغیر احمد انجمؔ جائسی کا تخلیقی جہان فکر و فن کے انیک دریچے وا کرتا ہے۔ شستہ زبان و بیان، شاعرانہ فنکاری اور تخیل کی مصورانہ رنگ پاشی نے ان کے اشعار میں بلا کی کیفیت اور سرشاری بھر دی ہے لیکن افسوس کہ یہ کلام اب تک شائع نہیں ہو سکا ہے۔ ضرورت ہے اسے منظر عام پر لانے کی۔

❁❁❁❁

# غیر مطبوعہ مرثیہ ''اشک''

پروینؔ حیدر

(۱)

کرب و اندوہ و الم درد کا میزان ہے اشک
فرشِ غم ہو تو مری فکر کا عنوان ہے اشک
شامِ گریہ کے لیے مشعلِ ایمان ہے اشک
ہدیۂ عشق پئے سجدۂ عرفان ہے اشک
نگہۂ عشق سے بخشا ہوا فیضان ہے اشک
تابہ دیوارِ عزاء سایۂ رحمان ہے اشک

(۲)

درد کے سارے درد بست کا مختار ہے اشک
جذب و احساس کی تعمیر کا معمار ہے اشک
خیمۂ جاں میں مرا مونس و غمخوار ہے اشک
زینتِ چشمِ عزا شہؑ کا عزادار ہے اشک
روزِ محشر مری بخشش کا حوالہ ہے اشک
قیمتِ خلد ہے جنت کا قبالہ ہے اشک

(۳)

طاقِ صحرا میں ابد گیر و فروزاں ہیں اشک
ہیں مداوائے الم درد کا درماں ہیں اشک
اُفقِ چشم ترے نیرِّ تاباں ہیں اشک
شامِ غم شامِ غریباں میں چراغاں ہیں اشک
خُلد کا زادِ سفر ہیں سر و ساماں ہیں اشک
وقفِ مظلومیتِ شاہؑ شہیداں ہیں اشک

(۴)

چشم کو دُرِ نجف دُرِ یمانی ہے اشک
ساکنِ چشمِ بشر خلد مکانی ہے اشک
موجِ تسنیم ہے زم زم کی روانی ہے اشک
قلزمِ غم کے شناور کی کہانی ہے اشک
چشمِ بیمار جسے ضبط میں ڈھالے وہ اشک
خانۂ حزن میں زہراؑ جسے پالے وہ اشک

(۵)

شہؑ مظلوم سے نسبت تری پہچان ہے اشک
قطرۂ آب نہیں خونِ رگِ جان ہے اشک
چشمِ ہستی کی عبادت علی الاعلان ہے اشک
ورثۂ مادرِ حسنینؑ ہے ذیشان ہے اشک
محملِ دشت میں لیلیٰ دل و جان ہے اشک
کاسۂ درد میں زہراؑ سے ملا دان ہے اشک

(۶)

فیضِ مجلس ہے یہ اک کارِ عبادت ہے اشک حاصلِ زیست ہے زہراؑ کی ریاضت ہے اشک
قلبِ صد پارۂ زینبؑ کی بشارت ہے اشک اے زہے کرب و بلا تیری امانت ہے اشک
ایک ممتا کے دکھی دل کی دعا ہے یہ اشک
غمِ شبیرؑ میں آدمؑ سے چلا ہے یہ اشک

(۷)

بہ خدا خونِ ابوذرؓ کی جِلا ہے یہ اشک مجھ کو آباء کی وراثت سے ملا ہے یہ اشک
خانۂ حزن سے تا دشت چلا ہے یہ اشک بالیقیں اجرِ شہؑ کرب و بلا ہے یہ اشک
پوچھیے فاطمہؑ زہرا سے کہ کیا ہے یہ اشک
جگرِ دشت سے خوں بن کے بہا ہے یہ اشک

(۸)

صدق میں بوذرؓ غفار کی مانند ہے اشک عشق میں میثمؓ تمار کی مانند ہے اشک
ایسا مطوب کہ عمارؓ کی مانند ہے اشک الفتِ شاہؑ میں بیمار کی مانند ہے اشک
یہ جو بہتے ہیں کسی ظلم پہ بیداد پہ اشک
ہیں اسی بیکسیٔ سیّدِ سجادؑ پہ اشک

(۹)

تذکرہ تشنہ لباں کا ہو تو تھمتے نہیں اشک اور اصغر کا بیاں ہو تو سنبھلتے نہیں اشک
قصّۂ اہلِ حرم ہو تو بہلتے نہیں اشک دل ہو گر سنگ تو پھر آنکھ میں پلتے نہیں اشک
مشعلِ شام اِلم شمعِ شبستاں ہیں اشک
باخدا لشکریِ شاہؑ شہیداں ہیں اشک

(۱۰)

چین اور نیند کو ظالم کی اڑا دیتا ہے اشک قصرِ باطل کی بھی بنیاد ہلا دیتا ہے اشک
ضبط کو صبر کی منزل سے ملا دیتا ہے اشک قسمتِ حُرِّؑ ریاحی کو بنا دیتا ہے اشک
قطرۂ چشم نہیں لامتناہی ہے اشک
غم کی جاگیر کو بخشی ہوئی شاہی ہے اشک

(۱۱)

جس سے ہوتا ہے ادا اجرِ رسالتؐ وہ اشک غم میں رواں ہو تو عبادت وہ اشک
دل کو تسکین دے اور روح کو راحت وہ اشک مجلس چشمِ سجاد پہ تھی جس کی حکومت وہ اشک
حشر میں زم زم و کوثر کے سزاوار ہیں اشک
ہر عزادارِ حسینؑ کے وفادار ہیں اشک

(۱۲)

بخششِ فاطمہؑ انعامِ مشیت ہے اشک درسِ سجادؑ ہے پروانۂ جنت ہے اشک
فرض ہے صبح و مسا کارِ عبادت ہے اشک اک دکھی ماں کی دعاؤں کی بدولت ہے اشک
ورقِ چشم پہ لکھّی ہوئی تحریر ہے اشک
بخشتا ہے جو مناجات وہ تاثیر ہے اشک

(۱۳)

قلبِ مومن کے لیے دولتِ بیدار ہے اشک — فکرِ باطل کے لیے باعثِ آزار ہے اشک
اے زہے عزّ و شرف خلد کا بیوپار ہے اشک — ہاں یہ رومالِ ابیھاؑ کا خریدار ہے اشک
نعمتِ ربِّ علیٰ فکر کی رفعت ہے اشک
پرسہ داری کی ہے تزئین فضیلت ہے اشک

(۱۴)

غم کی رُوداد کو تحریر کیا کرتے ہیں اشک — قلبِ زہراؑ سے سدا دار لیا کرتے ہیں اشک
پُرسہ داروں کو توانائی عطا کرتے ہیں اشک — فرش اور عرش کے مابین چلا کرتے ہیں اشک
وہبؑ و جونؑ ہے سلمانؑ ہے اور حُرؑ ہے اشک
سرِ انساں کے لیے تاجِ تفاخر ہے اشک

(۱۵)

غم و اندوھ کی کونپل کو جِلا دیتا ہے اشک — آنکھ کا رزق ہے نعمت کو بڑھا دیتا ہے اشک
چہرۂ کفر ترا رنگ اڑا دیتا ہے اشک — روحِ قاتل کو بھی بے چین بنا دیتا ہے اشک
کوفہ و شام کی راہوں کا سفر ماتم و اشک
دلِ سجادؑ کی آہوں کا اثر ماتم و اشک

(۱۶)

کُوبہ کُو فرشِ عزا بچھتا ہے گھر گھر ہے اشک — کس کو دعوی ہے کہ وہ تیرے برابر ہے اشک
شہؑ کی کرتا ہے ثناء ایسا ثناء گر ہے اشک — اے خوشا اہلِ عزا تم کو میّسر ہے اشک
چشمِ تاریخِ زمانہ سے جو جاری ہے اشک
قلبِ باطل کے لیے ضربتِ کاری ہے اشک

(۱۷)

قیدِ زندان میں عابدؑ کی مناجات ہے اشک — دلِ کونین کو بخشی ہوئی سوغات ہے اشک
موسمِ کرب میں تسکین کی برسات ہے اشک — قصّۂ کرب و بلا تیری شروعات ہے اشک
بن کے زخموں کا لہو دیدۂ تر میں تھے اشک
اس مسافر کے تو سامانِ سفر میں تھے اشک

(۱۸)

آلِ اطہارؑ کو دربار میں لاتے ہوئے اشک — اپنی ناموس کو ناقوں پہ بٹھاتے ہوئے اشک
ہر قدم آہ کی قدغن پہ بہاتے ہوئے اشک — ہائے وہ دل کے عزا خانے میں آتے ہوئے اشک
دامنِ دشت پہ کنبے کے عزادار کے اشک
کیسے تاریخ بُھلا پائے گی بیمار کے اشک

(۱۹)

بعدِ عاشور بہے راتوں کی تنہائی میں اشک — مقتلِ جاں میں تھے احساس کی گہرائی میں اشک
ناشرِ کرب و بلا کی سخن آرائی میں اشک — رسن و طوق و سلاسل کی پذیرائی میں اشک
زعمِ باطل خس و خاشاک کیا کرتا ہے اشک
پردۂ تختِ شہی چاک کیا کرتا ہے اشک

حربۂ کفر کو کرتا گیا ناکام یہ اشک
ساتھ مقتل سے اسیروں کے چلا شام یہ اشک
زیبِ مژگاں ہے یہی چشم کی زینت ہے اشک
لبِ سجادؑ کی خاموش خطابت ہے اشک

(۲۰)

کربلا ہیں ترے پیاسوں کے لیے جام یہ اشک
مادرِ حضرتِ شبیرؑ کے ہیں نام یہ اشک

قید خانے میں تھے اک قبر بناتے ہوئے اشک
حُرمتِ عترتِ اطہار بتاتے ہوئے اشک
نیتِ فرش کو ہے آنکھ کا احرام یہ اشک
پیروی کرتا ہے سجادؑ کی ہر شام یہ اشک

(۲۱)

عالمِ خواب سے دُنیا کو جگاتے ہوئے اشک
ہائے وہ عرصۂ تاریخ پہ چھاتے ہوئے اشک

سندِ اُمِّ مصائب کا تمنائی ہے اشک
صدق و ایمان میں سلمانؑ کی دارائی ہے اشک
کلکِ احساس سے لکھی گئی تقدیر ہے اشک
صبر کا درس ہے اور ضبط کی تدبیر ہے اشک

(۲۲)

زیر ہوں جس سے الم ایسی توانائی ہے اشک
کارِ یعقوب ہے بہلول کی دانائی ہے اشک

قلزمِ چشم میں ہر آن رواں رہتا ہے اشک
شامِ غربت ہو تو ضو بن کے عیاں رہتا ہے اشک
ظلمتِ شب میں جلی ضبط کی قندیل ہے اشک
پیکرِ صبر ترے خواب کی تاویل ہے اشک

(۲۳)

غرفۂ چشم میں خوں بن کے نہاں رہتا ہے اشک
اب بھی صحرا کی رگ و پے میں تپاں رہتا ہے اشک

ہائے زینبؑ کے دل و جان میں تحلیل ہیں اشک
آنکھ کے تپتے ہوئے بن کے لیے جھیل ہیں اشک
غوث ایسا ہے غیاث اپنا دکھاتا ہے اشک
ہے طریقت کا غنی راست پہ لاتا ہے اشک

(۲۴)

دشتِ بے آب تری پیاس کی تفصیل ہیں اشک
حکمِ زہراؑ ہے اسی حکم کی تعمیل ہیں اشک

بلوۂ عام میں بیمارِ خوش اطوار کے اشک
ننگے سر کنبے کی چادر کے طلبگار کے اشک
جامۂ صبر میں ملبوس شجاعت کے اشک
قلبِ باطل پہ غضب چشمِ امامت کے اشک

(۲۵)

حیف بے جرم و خطا ایک گرفتار کے اشک
تادمِ مرگ بہے عابدؑ بیمار کے اشک

حجرۂ غم میں اک ایمانِ مجسّم اور اشک
ہر نفس جاں میں رہا ماہِ محرم اور اشک
رسنِ ظلم کے اور طوقِ گرانبار کے اشک
قلبِ عالم پہ ٹپکتے رہے بیمار کے اشک

(۲۶)

مصرفِ زیست رہا مجلس و ماتم اور اشک
ماں ، پھوپھی ، بہنوں کی تشہیر کا تھا غم اور اشک

قصّۂ اہلحرم درد کی تفسیر ہیں اشک ظلمتِ شامِ غریباں تری تنویر ہیں اشک
(۲۷)
زینتِ مجلسِ غم فرش کی توقیر ہیں اشک ارثِ زہراؑ ہیں ازل گیر و ابد گیر ہیں اشک
خانۂ حُزن ترے نام سے مرقوم ہے اشک
حجرۂ سیّدِ سجادؑ سے موسوم ہے اشک

ہجر کی آہ تھے فرقت کی دہائی تھے اشک سفرِ کرب تھا اور راہنمائی تھے اشک
(۲۸)
عقدۂ سخت تھا پر عقدہ کشائی تھے اشک ایک طائف کے مسافر کی کمائی تھے اشک
دامنِ دشت تھا سوکھا جسے تر کرتا تھا اشک
منبرِ ناقہ سے پیکار کو سر کرتا تھا اشک

تھے لہو بن کے رواں صابر و شاکر کے اشک مجلسِ شامِ قیامت ترے ذاکر کے اشک
(۲۹)
جلتے خیموں کی تپش اور وہ صابر کے اشک خوں کے صحرا میں گھِرے ایک مسافر کے اشک
مقتلِ عصر میں مظلوموں کا غمخوار تھا اشک
ساتھ ہر گام رہا ایسا فداکار تھا اشک

ہائے کوفے کا سفر کرب کا ہنگام وہ اشک سر برہنہ تھے حرم ہائے رہِ شام وہ اشک
(۳۰)
غم کو توقیر ملی جن سے وہ آلام وہ اشک چشمِ بیمار سے بہتے رہے ہر گام وہ اشک
پیاس کی آنچ سے سُلگا ہُوا اک بن ہے اشک
قلبِ سجادؑ ترے کرب کی دھڑکن ہے اشک

سرِ دربارِ جفا کرب سے دوچار تھا اشک ظلمتِ شام میں گویا سحر آثار تھا اشک
(۳۱)
بانیٔ شر کے لیے باعثِ آزار تھا اشک غم کی راہوں میں بھی تابندہ و بیدار تھا اشک
ایک بیمار مہاری کی مسیحائی تھے اشک
جس نے طاقت کا بھرم توڑا وہ سچائی تھے اشک

رسن و طوق و سلاسل کی صداؤں میں تھے اشک قید خانے میں سکینہؑ کی نواؤں میں تھے اشک
(۳۲)
کوفہ و شام کی غم بستہ فضاؤں میں تھے اشک لبِ صغرا پہ جمی ٹوٹی دعاؤں میں تھے اشک
پیاس میں کوثر و تسنیم نُما تھے وہ اشک
منزلِ صبر میں تسبیحِ خدا تھے وہ اشک

وارثِ رسمِ غم کرب و بلائی کے اشک ہائے اس امتِ احمدؐ کی ستائی کے اشک
(۳۳)
باعمل درس تھے اس حق کے فدائی کے اشک ہائے اک کشتۂ زندان کے بھائی کے اشک
معبدِ صبر ترے صبر کا شہکار ہے اشک
جس کو رونے نہ دیا اس کا عزادار ہے اشک

ضربِ خنجر سے گراں تر ہے یہی ضربتِ اشک
چشمِ کونین کو نم کرتی رہی قوتِ اشک
خون ناحق کی قسم خون میں ضم ہیں یہ اشک
قلب زہراؑ پہ لگے زخم کا مرہم ہیں یہ اشک

(۳۴)

عصمتِ صبر سے پوچھے تو کوئی لذتِ اشک
اے زہے کرب وبلا جاگ اٹھی قسمتِ اشک

بالیقیں منتظرِ صبحِ ظہوری ہے اشک
ظلمتِ دہر پہ چھا جائے وہ نوری ہے اشک
شاملِ شرطِ عزا نوحہ و ماتم اور اشک
اب بھی اک دشت کی پہچان ہے یہ غم اور اشک

(۳۵)

کاسۂ جاں میں پئے نذرِ حضوری ہے اشک
شہؑ مظلوم کے پُرسے کو ضروری ہے اشک

اے خوشا صورتِ بیداریٔ قسمت ہیں اشک
وسعتِ حشر تلک فرش کی زینت ہیں اشک
کربلا درد ہے اور درد کا قصّہ ہیں اشک
غم کی تہذیب ہیں اور فرش کا حصّہ ہیں اشک

(۳۶)

کوکھ اجڑی ہوئی ان ماؤں کی حسرت ہیں اشک
کارِ سجادؑ ہیں زہراؑ کی بدولت ہیں اشک

شدتِ غم سے وہ تپتے ہوئے صحرا کے اشک
سفرِ شام سے وہ تا رہِ کوفہ کے اشک
قلبِ باطل کے لیے کوہِ گراں تھے وہ اشک
ہُو کے صحرا کے مُصلّے پہ اذاں تھے وہ اشک

(۳۷)

غم کے زندان میں تھے ایک مسیحا کے اشک
اور بالائے ستم ثانیِ زہراؑ کے اشک

بنتِ زہراؑ ترا بے خوف بیاں تھے وہ اشک
قلبِ ظالم کے لیے ضربِ گراں تھے وہ اشک
ہر قدم زخم تھے ، تھا مقتلِ غیرت اور اشک
ہائے سجادؑ تھے ، محرابِ عبادت اور اشک

(۳۸)

وارثِ نطق سلونی کی زباں تھے وہ اشک
از کراں تابہ کراں تابہ کراں تھے وہ اشک

بالیقیں صورتِ بیداریٔ قسمتِ ہیں اشک
دامن زیست پہ عابدؑ کی بدولت ہیں اشک
از زمیں تابہ زماں درد کا قصّہ ہیں اشک
مجلسِ غم تری تہذیب کا حصّہ ہیں اشک

(۳۹)

کوکھ اجڑی ہوئی ان ماؤں کی حسرت ہیں اشک
وسعتِ حشر تلک فرش کی زینت ہیں اشک

افقِ چشم پہ اک کرب کی پرواز ہے اشک
وارثِ علم ترا ہمدم و دمساز ہے اشک
غم کی تہذیب ہے کردار کا معیار ہے اشک
جب تلک کرب وبلا زندہ ہے بیدار اشک

(۴۰)

جس نے پندارِ ستم توڑا وہ آواز ہے اشک
باخدا چشمِ مشیت میں چُھپا راز ہے اشک

# باقرؔ امانت خانی، ایک تبصرہ

ڈاکٹر بدرالحسن عابدی، صدر شعبہ اُردو، عربی، فارسی، بنارس ہندو یونیورسٹی (۱۹۷۳ء)[1]

عالی جناب معلیٰ القاب السالکِ علیٰ صراط السوی حضرت باقر امانت خانی حیدرآبادی وہ نیک اعمال اور خوش مآل شاعرِ شیریں مقال اور ناشرِ فضائلِ خاصانِ ذوالجلال ہیں جن کے دامنِ نگاہ کو ان کا ذوقِ ثنا خوانی بہزاد و مانیؔ کی خیالی تصویروں سے مستغنی بنا چکا ہے۔ چونکہ توارث صفات ایک مُسلّمہ حقیقت اور الولدُ سرّ لابیہ ایک مانی ہوئی صداقت ہے بنابریں یہ عرض کر دینا بے محل نہ ہوگا کہ موصوف کے پدرِ مغفور جناب سید زین العابدین صاحب مرحوم اپنے عصر کے بہترین خطّاط خوش نویس مصوّر تھے۔ بس فرق ہے تو اتنا کہ باپ نے کلکِ نقش و نگار کے جوہر دکھائے اور بیٹے نے سلکِ حقیقت شعار کے گوہر لٹائے۔

جناب باقرؔ امانت خانی نہ صرف جادۂ مقاصدِ بلند کے سالک مالک ہیں بلکہ حق تعالیٰ نے ان کو وہ جوہرِ تخیل عطا کیا ہے جو صہبائے مودّت کے متوالوں اور ذوقِ سلیم رکھنے والوں کے اذہان کو ایک ایسے نگارخانے میں کھینچ کر لے جاتا ہے جہاں کلکِ ازل نے خلقِ عظیم کے مرقعے اور صراطِ مستقیم کے صحیفے اس طرح ترتیب وار سجادئے کہ وجہ زینت بھی ہیں اور سببِ حیرت بھی۔

ماہنامۂ الجواد کے بیش بہا صفحات پر اکثر و بیشتر جناب باقرؔ امانت خانی مدظلّہ العالی کے پر معنی کلام اور پر کیف اشعار نظر قاصر سے گزرتے رہے۔ حسنِ اتفاق کہ امسال ایام اربعین میں راقم الحروف کو حیدرآباد دکن کا آب و دانہ کھینچ کر لے گیا اور جناب ممدوح سے شرف ملاقات حاصل ہوا۔ الجواد میں شائع ہونے والے منقبت خیز افکار کے پس پردہ جس بزرگ ہستی کے نقوش ذہن میں ہو چکے تھے وہ اب میری نگاہوں کے سامنے مقانت اور سنجیدگی کے لبوں سے مسکراتی ہوئی جلوہ طراز تھی اور میرے دل کو اپنا محورِ تسخیر بنائے ہوئے تھی۔ گویا میرے رو برو ایک پیکرِ خلق تھا جس کے متشرع ہونے پر محاسنِ تصدیق اور متواضع ہونے پر قراین توثیق کر رہے تھے۔ اس ثنا خوانِ محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام نے پہلی ہی ملاقات میں اپنا گرویدہ بنا لیا پئے در پئے ملاقاتوں اور نشستوں کا سلسلہ جاری رہا جذب و انجذاب جانبین سے تھا ادھر کمندِ شفقت ادھر بندِ عقیدت یعنی اسیرِ دامِ محبت دونوں ہی تھے۔

رفتہ رفتہ جناب باقر امانت خانی کے مختلف مراثی سننے اور دیکھنے کے مواقع فراہم ہوئے۔ ایک غیر مطبوعہ مسدس (مرثیہ) جس کو موصوف نے بعنوان ''توفیقِ مجسّم'' جناب حُر علیہ السلام کی شان میں نظم فرما کر ۱۲ محرم ۱۳۹۲ھ کو ایک مجلس میں پڑھا تھا اور مومنین حیدرآباد سے خوب خوب داد تحسین حاصل کی تھی، میرے لیے موجب اسباط ہوا۔ چونکہ موصوف کے تقریباً سب ہی مسدس (مرثیے) مطبوعہ صورت میں آ چکے ہیں لہٰذا میں نے اپنے ذمہ اس فریضہ کو لے لیا کہ اپنے تاثرات کو اس کے بارے میں قلمبند کر کے ان کی خدمت میں پیش کر دوں مگر اسی کے ساتھ ساتھ یہ

---

[1] یہ مضمون ۲۴/اپریل ۱۹۷۳ء میں لکھا گیا۔

احساس بھی دامن گیر رہا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس مسدس کی قدر و قیمت متعین کرنے میں مجھ سے کوتاہیاں واقع ہوں لہٰذا میں نے اس ذیل میں قبل ہی سے ان کی خدمت میں معذرت بھی پیش کر دی جو یقیناً انہوں قبول فرمائی ہوگی۔

دراصل مرثیہ نگاری اور قصیدہ گوئی اصناف سخن کی وہ دشوار گذار وادیاں ہیں جن میں قدم رکھنے سے پہلے بعض اہم فنی شرایط سے اذن نامہ حاصل کرنا پڑتا ہے یعنی اگر شاعر کو ''مرثیہ'' اور ''مسدس'' نیز ''غزل'' اور ''قصیدہ'' میں فرق و امتیاز معلوم نہ ہو تو اس کو نہ مرثیہ کہنے کا حق ہے نہ قصیدہ۔ جناب باقرؔ امانت خانی فنِ مرثیہ نگاری کے اصول سے نہ محض واقف ہیں بلکہ ان کے مسدّسوں میں اس فن سے متعلق شرائط کی رعایتیں مسلسل نظر آتی ہیں۔ یعنی اگر موصوف اپنے مسدس کو ''مرثیہ'' قرار دیتے ہیں تو انیسؔ و دبیرؔ اور دیگر استادان فن کے قائم کردہ نقوش مرثیہ نگاری کے تبیغ کا تدین کے ساتھ اہتمام بھی کرتے ہیں۔

جناب حُر علیہ السلام کی شان میں ''توفیق مجسّم'' ایک عمدہ اور نفیس کاوش ہے اس مرثیہ میں ۱۳۰ بند ہیں اور اس کا چہرہ ''توفیق'' ہے۔ جناب حُر علیہ السلام کی شان میں مرثیہ کا آغاز توفیقِ الٰہی سے کرنا ایک ایسے سلیقہ اور پختہ کا اصاحب قلم کا کام ہے جس کے شامل حال عنایت و توفیق ایزدی ہے۔ جب بنیاد اتنی مستحکم اور نادر ہو تو پوری عمارت کس قدر عالی شان ہوگی اس کا اندازہ اس مسدس کو پڑھ کر ہی ہو سکتا ہے۔

(۱) توفیق خضرِ منزلِ راہِ شعور ہے — توفیق کیف جامِ شرابِ طہور ہے
توفیق چشم فیضِ الٰہی کا نور ہے — توفیق دل کے حجلے میں جنت کی حُور ہے
توفیق اک جمالِ رُخِ سرنوشت ہے — توفیق ایک مشعلِ راہِ بہشت ہے

(۲) راہِ عمل میں رہبرِ مقداد بن گئی

(۳) توفیق کا خدا کے کرم پر ندار ہے — توفیق کی زبان نہیں ذوالفقار ہے

(۴) دامانِ اہلِ شر کے مقابل شرر ہے یہ — باطل کا ہو جو حملہ تو سینہ سپر ہے یہ

(۵) توفیق انتباہِ مکافات کجرولی — توفیق سے ہے موت شہیدوں کی زندگی

(۶) خلخال ضبطِ نفس کے ہیں اس پاؤں میں — ہیں گہری نیند میں شہدا اس کی چھاؤں میں

(۷) پابندہ ارتباطِ حیات ممات ہے — افضالِ ذوالجلال کی بہتی فرات ہے

(۸) کرتی ہے یہ تمیز سعید و پلید میں — ظاہر ہو اس سے فرق حسینؑ و یزید میں

(۹) اس سے غم حسینؑ کی عظمت دکھائی دے — تاثیرِ خوئے فاضلِ طینت دکھائی دے

اور توفیق ہی کی بدولت:

(۱۰) دنیا میں ہم مناظرِ قدرت کو دیکھ لیں — اشکوں میں اپنے اجرِ رسالت کو دیکھ لیں

(۱۱) توفیق کیا ہے فیض خدائے قدیر کا — توفیق ہو تو پیتے ہیں ساغر غدیر کا

(۱۲) احساس اور تمیز کے ساغر چھلک پڑیں — توفیق ہو تو آنکھ سے آنسو ٹپک پڑیں

میری نظر ان مصرعوں پر پڑی تو بے ساختہ غالبؔ مرحوم کا حسب ذیل شعر یاد آ گیا۔

توفیق باندازۂ قسمت ہے ازل سے آنکھوں میں وہ ہے قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا

توفیق کی تعریف وتوضیح کے بعد شاعر نے اس کے حصول کی تمنا اس طرح کی ہے۔

اپنے کرم سے مجھ کو وہ توفیق دے خدا جس سے مرے عیوبِ سخن کا ملے پتا
میرے قیاس و فیصلہ مجھ سے کریں وفا میدانِ شاعری میں ہو حیدرؑ کا آسرا
مضمونِ نو زبان جو کھولے ولی کہے ٹھوکر جو کھائے میرا قلم یاعلیؑ کہے

اس کے بعد جناب حُرؑ کی توفیق ایزدی نے جس طرح تقدیر بنائی ہے اس کا بڑے موثر پرایئے میں ذکر کرتے ہوئے شاعر بطور گریز کہتا ہے:-

جب چشمِ نم سے اشکِ ندامت ٹپک گیا تقدیر کا جبیں پہ ستارا چمک گیا

پھر اس کے بعد فرماتے ہیں۔

یہ مرثیہ رقم کروں حُرؑ کے قلم سے میں

شاعر اب اپنے قلم کے لیے متمنی ہے:-

خود افتخارِ مانیؔ و بہزاد ہو قلم حرؑ کا قلم ہو ہاتھ میں آزاد ہو قلم

اغلاط جو بالعموم لوگ شاعری میں کرتے ہیں ان سے بچنے کی تمنا:-

اعلان نون کا نہ اضافت کے بعد ہو یعنی تلک نہ آئے سخن میں مرے کبھی
جدّت کے راستے سے گریزاں نہ فکر ہو زلفِ سخن کے خم سے پریشان نہ فکر ہو
سکتہ نہ ہو کلام میں حیراں نہ فکر ہو اشعار ہوں مرض میں نہ ایطا کے مبتلا
ہو شائیگاں کا فکر پہ میری نہ شائبا معنی ہمیشہ جس کے ہیں وہ ترک ہو سدا

المختصر زباں کا تحفظ ہو مدعا

حملہ نہ انقلاب سے افکار پر کروں تعقید سے نہ ظلم میں اشعار پر کروں

عربی اور فارسی کے الفاظ کی اضافتیں غلط نہ ہو صحنؔ اور صَحن کا فرق ظاہر کیا ہے، اسی طرح دلہن اور دلہن کا فرق ظاہر کیا ہے، جھولۂ بے شیر نہ کہا جائے یہ غلط ہے، اسی طرح تلوارِ عزم کہنا غلط ہے، اشعار طبعزاد ہوں مانگے ہوئے نہ ہوں۔

کچھ بھی ہو ٹوٹی پھوٹی ہو ذاتی ہو شاعری معنی میں ہے مقام کے کرب و بلا غلط

مشکور اور متشکر میں فرق ظاہر کیا ہے۔

دانا ہے وہ جو کانٹوں سے دامن کو جھاڑ دے مجنوں ہے وہ سخن کا گریبان جو پھاڑ دے

اسی توفیق کے سہارے شاعر یہ آرزو کرتا ہے کہ وہ فاحش غلطیاں جو اکثر نااہل شاعروں سے سرزد ہوتی رہتی ہیں ان سے اس کا کلام محفوظ رہے۔ مثلاً اضافت کے بعد اعلانِ نون تلک کا استعمال جواب متروک ہو چکا ہے۔ کلام میں سکتہ، ایطا، شائیگاں، تعقید غلط قسم کی اضافتیں شاعر

نے اس سلسلہ میں اغلاط کی طرف مختلف بندوں میں ذکر کرتے ہوئے صحیح فرمایا ہے کہ جناب علی اکبرؑ:-

تصویرِ مصطفیٰؐ کے ہیں مظہر یہ ہے غلط اکبرؑ ہیں ہم شبیہِ پیمبرؐ یہ ہے غلط

اس لیے کہ تصویر اور مظہر ہم معنی ہیں۔ تصویر کا مظہر کہنا غلط ہے۔ اسی طرح شبیہ پیمبرؐ کہنا درست ہے ہم شبیہ کہنا غلط ہے۔ البتہ ہمشکل کہنا صحیح ہوگا۔

شاعر کی مزید تمنا یہ ہے جس میں وہ حق بجانب ہے کہ

؎ جدّت کے راستوں سے گریزاں نہ فکر ہو

؎ اشعار طبعزاد ہوں مانگے ہوئے نہ ہوں

؎ کچھ بھی ہو ٹوٹی پھوٹی ہو ذاتی ہو شاعری

اور یہ سب تمنائیں اس لیے ہیں تا کہ:

یارب نکل نہ جائے جنازہ زبان کا

چہرے کے بعد شاعر نے گریز کا جو عنوان پیدا کیا ہے وہ بھی قابل قدر ہے فرماتے ہیں:

توفیق انکساری کی معبود کر عطا لوگوں پر اعتراض نہ ہو میرا مدعا

مسلک نہ حرف گیریٔ بے جا بنے مرا شہتیر مجھ کو آئے نظر اپنی آنکھ کا

معبود حُرؑ کے اشک پشیماں دکھا مجھے توفیقِ اعترافِ خطا کر عطا مجھے

مرثیہ کی بعض نفیس اور نادر مصرعے درج ذیل ہیں

؎ زینبؑ کی یاد میں ہو تصور بھی سر کھلے ؎ میری ہو فکر شامِ غریباں بنی ہوئی ؎ آمد کا مد بناؤں تو شمشیرِ حُر بنے

؎ میرے قلم کی نوک دہانہ ہو مشک کا ؎ پھر سے ہوئی جوان زلیخائے مدعا ؎ توفیق کی سحر کا ہے اب اس کا انتظار

؎ مژگانِ آفتاب کی کرنیں ہوئیں دراز ؎ عزمِ جہادِ نفس جو صیّاد ہو گیا ؎ بدقسمتوں سے نیک ستارا جدا ہوا

؎ حیراں خضر ہوئے رہِ تدبیر دکھ کر ؎ قطرہ ہے آج رحم کے طوفاں کے سامنے ؎ بارِ گناہ لطف کے میزاں کے سامنے

؎ شبیرؑ کے دفاع میں پہلا یہ تیر ہے ؎ شوقِ جہاد اس کے لیے تازیانہ ہے ؎ حُر کی نگاہِ گرم سے اعدا پگھلتے تھے

؎ رخسار ہیں کہ گلشنِ توبہ کے پھول ہیں

خلاصہ یہ ہے کہ یہ مرثیہ نہایت ہی مرصع اور مقبول ہے اور اس میں ان تمام لوازم کی پابندی پائی جاتی ہے جو مرثیے کی روح ہیں۔ اس خیال سے کہ تبصرہ زیادہ طویل ہو جائے اس مرثیہ کے محاسن پر مزید تفصیل پیش کرنے سے اپنے قلم کو روکتا ہوں۔ اور موصوف کے حق میں دعا کرتا ہوں کہ ''اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔''

❁❁❁❁

# مرثیہ ''ہاتھ'' بشریت کے آئینے میں

عادلؔ مختار

ہیومینیٹیز (بشریات) سے متعلق کورسز ایک ایسی بالغ نظری فراہم کرنے کے وسائل ہیں کہ جس کے ذریعے سے انسانی تاریخ کے نشیب وفراز، تہذیب وتمدّن کا ارتقا اور کائنات کے حوادث وانقلابات کے حوالے سے انسان کے نفسی وآفاقی تجربات کی بوقلمونیٔ اظہار کا تجزیاتی فہم حاصل ہوتا ہے۔ یہ کورسز تعقلاتی تجسّس کی افزائش بھی کرتے ہیں اور اسے رزقِ انکشاف بھی مہیّا کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ایک طالبِ علم کو اُن اوزارِ فکری سے لیس کرتے ہیں کہ جس کے ذریعے سے وہ دنیا کی پیچیدگیوں کی وجوہ کو متعین کرنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے۔

وہ لوگ جو بشریات کی تعلیم اور تعلّم سے وابستہ ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ کسی بھی نظم کا مذہبی مواد استعمال کرنا اسے محدود نہیں بناتا۔ اگر ایسا ہوتا تو رامائن، ایلیڈ اور دیگر رزمیے اور اساطیر کہ جو خالصتاً مذہبی ساخت کی حامل شاعری ہے وہ آج آفاقی شاعری اور بشریات کا عمومی موضوع قرار نہ پاتی اور کرۂ ارض کے ادبی حلقوں میں بلاتفریق تاریخ وتہذیب اہمیت اختیار نہ کرتی۔ اسی طرح مذہبی کردار یا ادبی کردار کی تفریق اور امتیاز سے کسی کردار کو محدود یا وسیع کہنا بھی درست نہیں بلکہ کسی بھی کردار کے اوصاف اور اس کے فضائل وآلام اس کی محدودیت یا وسعت کا تعین کرتے ہیں۔

مرثیہ وہ صنفِ ادب ہے کہ جو انسانی معاشرے کے آغاز سے ایک مستقل تاریخ رکھتی ہے۔ اس صنف کے اعلیٰ ترین نمونے دنیا کی تمام باقاعدہ زبانوں اور عظیم ادب میں ملنا ممکن ہیں۔ مرثیہ خالصتاً انسانی نفسیات کی گہرائی، سماجی شعور کی وسعت اور تاریخِ غم سے آگاہی کے نتیجہ میں وجود میں آنے والی صنف ہے۔ یہی مرثیہ جو میراثِ انسانی ہے، انسانی تاریخ اور انسانی تجربات سے آگاہی کے بعد، جب کربلا کو موضوع بناتا ہے تو یہ شخصی اور محدود احساس اور شعور کے دائرے سے نکل کر کربلا اور کربلا کے کرداروں سے منسوب کثیر الجہتی اور آفاقی موضوعات کو اپنا کر تمام اصنافِ ادب کو اپنے حلقے میں لے لیتا ہے۔ ایک مستقل تاریخ تو پہلے سے مسلّم تھی پھر کربلا ایسے عنوان کے تحت انسانی تعقل، تہذیب، اور ثقافت سے متعلق تمام مضامین کا ارتکاز، یہ وہ عوامل ہیں کہ جن کے فہم کی بدولت اردو مرثیہ ایک باقاعدہ مذہبی تحقیق کی بجائے خالصتاً بشریات ایسے وسیع شعبہ کے موضوع کے طور پر نظر آتا ہے۔

مذکورہ مرثیہ نام نہاد مذہبی شاعری نہیں بلکہ انسانیات سے متعلق ہے اسے سمجھنے کے لیے اردو مرثیے کا باقاعدہ اور مستقل مطالعہ درکار ہے۔ ورنہ یہی ہوگا کہ مرثیے میں کربلا کے کرداروں کا ذکر اور چند مذہبی اصطلاحات کے آتے ہی اسے مذہبی شاعری کہ کر یا تو اربابِ نقد وبصر نظر انداز کر دیں گے یا مذہبیت کا وہ محدود تصور جو ان کے خانۂ ذہن میں ہوگا اس کے بھی کسی کونے میں مرثیے پر تنقیدی خطوط کو کھینچتے رہیں گے۔ اور ایسا صرف جوہرِ مذہب اور آغاز لے کر سے موجودہ زمانے تک کے رثائی سرمائے کے ابعاد سے ناآشنائی کی بدولت ہوسکتا ہے۔

مذہب ہرگز ایک جمودی حقیقت نہیں اور یہ بات مسلم ہے مگر اس وقت ہماری بحث صرف اور صرف مرثیے سے متعلق ہے۔ مرثیہ اصلاً شاعری ہے اور اسے ادب ہونے حیثیت سے بشریات کا ہی موضوع ہونا چاہیے۔ مرثیے کی اس سطح پر تفہیم اور فروغ کے لیے بیسویں صدی

اور خاص طور پر بیسویں صدی کے آخری ربع میں شعوری سطح پر جو فکری اور تخلیقی نصاب مرتب کیا گیا ہے اس میں ڈاکٹر ہلال نقوی صاحب کے افادات، اضافہ جات اور تخلیقات نہایت اہمیت کی حامل ہیں۔ ہلال صاحب نے ایک طرف اپنے تمام تخلیقی رنگ مرثیے کی تجدید و تجرید میں کھپا دیے ہیں تو دوسری طرف اپنے قوائے فکری ہمیشہ رثائی شاعری کی بطورِ شاعری، تفہیم اور تبلیغ میں آزمائے ہیں۔

اپنے نصب العین کی بدولت ہلال صاحب کا آرٹ کس طرح Humanities کو اپیل کرتا ہے اس کی مثال ان کے مرثیے بعنوان ہاتھ، چراغ اور آواز ہیں۔ اوران میں بطورِ خاص ہمارے پیشِ نظر مرثیہ ''ہاتھ'' ہے۔

جب ہم درسی سطح پر کسی بھی فن پارے کی قرأت مکمّل کرتے ہیں تو اس کے بعد ایک سوال لازم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ پڑھے گئے ناول، افسانے یا نظم کے عنوان کی عمومی طور پر اور تخلیق کیے گئے مواد کے لحاظ سے خصوصی طور پر اہمیت کیا ہے؟

اب آپ اس مرثیے کو لیجیے کہ جس کا عنوان ہاتھ ہے۔ کیا یہ مرثیہ ایسا نہیں کہ یہ اپنی طرف اپنے عنوان سے ہی مذہبی کی بجائے ایک عمومی سماعت کا متقاضی ہے۔ لہٰذا کہا جا سکتا ہے ہلال صاحب ایک انتہائی conscious artist ہیں کہ جو عنوان ہی سے اپنے شعور و شعر کی منزل کا پتہ دے رہیں کہ اگرچہ یہ منبرِ مرثیہ ہے مگر یہاں سے اٹھنے والی آواز کے سفر کو کسی مروجہ ماحول میں محدود نہ سمجھائے۔ یہی وجہ ہے کہ ستمبر ۱۹۸۶ء میں کہا گیا یہ مرثیہ بیک وقت شعوری و شعری حلقوں میں موضوعِ بحث بنا اور اسے داد و تحسین بھی عام مجلس اور مرثیے کے حلقوں کے علاوہ ملی۔ اور ایسا صرف اس مرثیے کی Humanistic Approach کے سبب سے ہوا۔

مرثیہ ''ہاتھ'' چھیاسی بند پر مشتمل ہے مگر اس سے پہلے کہ یہ کربلا میں باقاعدہ ورود کرے اس مرثیے کے چونتیس بند ہاتھ کو سفرِ آثار پر چم بنا کر تاریخِ تہذیب و فکرِ انسانی کی سیر پیش کرتا ہے۔ یوں اس مرثیہ کا ابتدائی چالیس فیصد حصہ خالصتاً بشریات کے ان ابعاد پر مشتمل ہے کہ جو اس مضمون کے آغاز میں ذکر کیے گئے ہیں یعنی انسانی تاریخ کے نشیب و فراز، تہذیب و تمدّن کا ارتقاء اور کائنات کے حوالے سے انسان کے نفسی و آفاقی تجربات کی بوقلمونیٔ اظہار۔۔۔ اور اس بات کے ثبوت کے لیے مرثیے کے اس حصے سے سات مختلف مقامات سے انتخاب معاون ثابت ہوگا۔

مطلع

جس ہاتھ میں قلم ہے حشم اس کے ہاتھ ہے — جو ہاتھ خود قلم ہے علم اس کے ہاتھ ہے
ہر عہدِ تشنگی کا تمدّن لکھے جو ہاتھ — آثار و ارتقاء کا بھرم اس کے ہاتھ ہے

برہم کرے صفوں کو کو جو ترتیب کے لیے
وہ ہاتھ اک سبیل ہے تہذیب کے لیے

یہ ارتقاء کے دوش پہ ایجاد کا علم — تخریب کے جلو میں یہ تعمیر کا حشم
کھیتوں میں دوڑتی ہوئی پگڈنڈیوں کی رو — یہ بستیاں یہ شہر یہ راہوں کے پیچ و خم

پیچاں ہیں یہ جو وقت کی لوحِ جبین پر
کھینچی ہیں ہاتھ نے یہ لکیریں زمین پر

(۸)

بدلے ہیں ہاتھ ہی نے مظاہر یہ گُل کے گُل بے جان لکڑیاں کہیں کشتی کہیں ہیں پُل
طے کر کے سارے مرحلے قطع و بُرید کے (۱۰) پھر تازہ مرحلوں سے سجاتا ہے شہرِ گُل
غازہ ہے اس کے لمس کا روئے معاش پر
تنہا رواں ہے راہِ تراش و خراش پر

جو ہاتھ ظرفِ حرف کو بھرتے رہے ہلال لفظوں کے سورجوں سے ابھرتے رہے ہلال
وہ ہاتھ جن کو حق کی اشاعت سے کام تھا (۱۶) تاریخ کے افق سے گزرتے رہے ہلال
صرصر کی سرکشی میں بھی لنگر تھمے رہے
تھے ہاتھ دستگیر تو پاؤں جمے رہے

میری نشانیاں جو رواں ہیں امر ہوں میں اشجار کی قطار سرِ رہ گزر ہوں میں
ہر شاخ پر لکھا ہے مرے موسموں کا سوز (۲۰) اک فصلِ مرگ و زیست ہوں روحِ سفر ہوں میں
ہے کون وقت سے جو مرا ساتھ چھین لے
کس کی بساط ہے جو مرے ہاتھ چھین لے

ہر عہد کی بقا ہیں مشقّت سپاس ہاتھ دہقان کے یہ ہاتھ زراعت شناس ہاتھ
محنت کو زر کے پاؤں کچلتے رہے مدام (۳۰) لیکن یہ ہاتھ ہاتھ تھے محنت اساس ہاتھ
پھر تذکرے نمو کے بصد آب و تاب ہیں
زخمی ہتھیلیوں پہ لہو کے گلاب ہیں

ڈھونڈے گی جب بھی چشمِ حقائق شیم انہیں پہچان لے گا دستِ مہذّب رقم انہیں
نکلے کہاں سلاسلِ الفاظ توڑ کر (۳۴) گھیرے رہا احاطۂ نوکِ قلم انہیں
قاتل نہ چُھپ سکیں گے مقاتل کی حد میں ہیں
ان مجرموں کے ہاتھ مؤرخ کی زد میں ہیں

مرثیے کے چونتیسویں بند تک کے مواد اور ترتیب پر نظر کریں تو یہ نظم اپنے علاقۂ فن وفکر میں رہتے ہوئے ہاتھ کو تاریخی صداقتوں، تمدنی و ثقافتی پیش رفت اور حقوق اور حقائق کی علامتوں کے ایک تسلسل کے ذریعے نفسی و آفاقی مضامین کا بالعموم احاطہ کرتی ہے۔ اور اس کے بعد کربلا میں اس نظم کا ورود بند ۳۵ سے ہوتا ہے۔

ہاتھ ایسے مرثیے کے لیے بطورِ خاص ذہن میں رہنا چاہیے کہ یہاں ''کربلا کی طرف گریز'' ایسی روایتی اصطلاح کہیں استعمال نہیں ہوسکتی کیونکہ مرثیے کا چونتیسواں بند انسانی تاریخ وتہذیب کی سیر کے اس مقام پر رکتا ہے کہ جہاں یہ ضروری محسوس ہوتا ہے کہ دستِ ہدایت حُسین علیہ السلام اور یزید ایسے حرمت فگار و رعونت حصار ہاتھ پنجہ آزما ہوں۔ لہٰذا یہ مقام مرثیے کا کربلا کی طرف گریز نہیں بلکہ اس مرثیے کے نامیاتی پلاٹ کا کلائمیکس ہے۔

مرثیے کا دستِ حسین علیہ السلام اور دستِ یزید پر نظم کیا گیا حصہ بھی حیرت ناک حد تک مذہبی سے زیادہ بشریات کو اپیل کرنے والا

ہے۔مثال کے طور پر مرثیے کا چھتیسواں بند یزید کے ہاتھ کے حوالے سے ملاحظہ ہو

فالج شکار ہاتھ کی بے جان افسری تقدیس سے نہ چھین سکی وصفِ سروری
مردہ تصورات میں جکڑا ہوا یہ ہاتھ پیدا نہ کر سکا تنِ ہستی میں تھرتھری
حق سے بجبر، حق کی قیادت نہ لے سکا
یہ زندگی کے ہاتھ سے بیعت نہ لے سکا

ہلال صاحب امام حُسینؑ کے ہاتھ کو زندگی کا ہاتھ قرار دے کر بشریات سے وابستہ اذہان کو اس مقام پر مروجہ مذہبیات سے بے گانہ بنا دیتے ہیں۔مگر اس کے بعد چند مذہبی تراکیب وشواہد سے مرثیے کے رُخ کو نکھارتے ہوئے، مرثیے کی روایت کے بھرپور شعور کا اظہار کرتے ہیں مگر مرثیے کے اس حصہ میں بھی امام حُسینؑ کے فضائل کو علامتی طور پر ہاتھ سے وابستہ تلمیحات اور استعارات کی صورت رقم کیا گیا ہے۔اور اس طرح خود قاری کا شعور، فکری اور لسانی اعتبار سے آگے بڑھتا ہے اور امام حُسینؑ کے فضائل کے بعد انصارِ حُسینؑ کی توصیف میں فکر کی گزشتہ روپلٹتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔

ہمراہ اہلِ حق کی جماعت وہ مختصر ہر فرد جس میں حق کے حوالے سے معتبر
بڑھنے لگے جو حق کی طرف قاتلوں کے ہاتھ بند(۵۱) نکلے سروں کو لے کے یداللہ کے پسر
یک جا ہوئے تو اک صفِ جرار بن گئے
ہاتھوں میں ہاتھ آہنی دیوار بن گئے

اور اس کے بعد مرثیہ کا بند ۵۴ ''ہاتھ'' ایسے موضوع کے لیے موزوں ترین کردار یعنی عباسِ علمدارؑ کی طرف رجوع کرتا ہے۔

ہیں چوبۂ خیام دلیرانِ سر بلند کوئی طناب کش تو کوئی در پہ کاربند
بے حرمتی کی زد سے بچانے کے واسطے سائے کی طرح ساتھ وہ اک مردِ ارجمند
دل میں کُل احتیاط کی باتیں لیے ہوئے
عباس بازوؤں کی قناتیں لیے ہوئے

نہیں معلوم کہ ''مذہبی موضوعات'' سے کیا مراد لی جاتی ہے مگر حقائق اور حقوق کی رعایت کرنا، سنگین حالات میں بھی اپنے تمام تر فرائض سے سبکدوش ہونا، اپنی ناموس کی حفاظت کرنا، ایک مختصر جماعت کے علمبردار کا تیس ہزار کے لشکر سے ٹکرا جانا، کسی دشتِ بے آب میں پیاسے کم سنوں کی صدائیں اور سب سے بڑھ کر دشتِ وحشت اور خون سے معمور مقتل میں ایک بہن کا اپنے بھائی کو موت کی جانب روانہ کرنا ایسے مضامین ہیں جنھیں مذہبی کہنا مذہبیات اور بشریات دونوں سے ناآشنائی کی دلیل ہے۔

آثار جو نہاں ہیں عیاں دیکھتی ہوں میں جس شے کو دیکھتی ہوں دھواں دیکھتی ہوں میں
مجھ کو تمہارے دستِ علمدار کی قسم (بند ۷۴) بازو پہ رسیوں کے نشاں دیکھتی ہوں میں

علمدارِ کربلا کے ہاتھوں کا بریدہ ہونا خود کربلا کے واقعے کا انتہائی اہم موڑ ہے۔اس واقعہ کے بعد رزم گاہِ کربلا مکمل طور پر منقلب ہوتی دکھائی دیتی ہے:

یہ ہاتھ کٹ گئے تو ردائیں بھی چھن گئیں خیموں کی پردہ دار فضائیں بھی چھن گئیں
بچے تمام سہم گئے خوف شمر سے (بند۸۱) پھر وہ عطش عطش کی صدائیں بھی چھن گئیں
بچوں کی آس کے وہ گھروندے بکھر گئے
کوزووں کو روندتے ہوئے ظالم گزر گئے

یہ ہاتھ کٹ گئے تو اٹھا ابتری کا ہاتھ وہ شور الحذر وہ طمانچے بدی کا ہاتھ
وہ کم سنی کا صبر وہ عارض لہو لہو (بند۸۲) وہ سیلیوں کا جبر وہ شمر شقی کا ہاتھ
اس ظلم پر جو ظلم رسیدہ لرز اٹھے
ساحل کے پاس دست بریدہ لرز اٹھے

یہ ہاتھ کٹ گئے تو بڑھے تب رسن کے ہاتھ بچوں کے وہ گلے وہ حرم وہ بہن کے ہاتھ
زنجیر بستہ ہاتھ کفن تک نہ دے سکا بند۸۳ مجبور کس قدر تھے غریب الوطن کے ہاتھ
چہرے تمام گرد غریبی سے اٹ گئے
دو ہاتھ کیا کٹے کہ سبھی ہاتھ کٹ گئے

مرثیہ ہاتھ جہاں اپنی تشکیل اور ترتیب سے کربلا کے آلام ومسائل کو تاریخِ انسانی کے تسلسل کی ایک نہایت اہم کڑی کے طور پر پیش کرنے میں کامیاب نظر آتا ہے وہیں ان مسائل اور آلام پر ایک گہرے شعور کے حامل قاری کو تجزیہ وتحلیل کی دعوت بھی دیتا ہے کہ جس سے بشریات ہی کے فراہم کردہ معاون اوزارِ فکری سے تاریخ کے اس اہم موڑ (کربلا) سے بشریت کے ایک نئے سفر، ایک ممتاز تمدن کی بنیاد اور نینوا میں پیش کردہ شہادتوں کو شعریت کے ذریعے ماورائے تاریخ سطح پر انسانی تجربات کے طور پر مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

❁❁❁


دبیرؔ کے مرثیے
(جلد چہارم)
شائع ہوگئی ہے
اصغر مہدی اشعر

دبیرؔ کے مرثیے
(جلد پنجم)
شائع ہوگئی ہے
اصغر مہدی اشعر

دبیرؔ کے مرثیے
(جلد ششم)
زیرِ طبع
ترتیب وتدوین
اصغر مہدی اشعر

# غیر مطبوعہ مرثیہ ''یقیں''

## عوسجہ زیدی

(۱)
نہیں اثبات سے بڑھ کر کہیں دولت کوئی حق شناسی سے فزوں تر نہیں شوکت کوئی
سوچ سکتا نہیں اس جنس کی قیمت کوئی ماپ سکتا نہیں وجدان کی عظمت کوئی
فہم و ادراک کا ضوتاب نگیں ہوتا ہے
جوہرِ خاصۂ ایمان یقیں ہوتا ہے

(۲)
دم بدم کرتا ہے اعمال کی تشکیل یقیں اور ایمان کی بتلاتا ہے تفضیل یقیں
رحمتِ خالقِ اطہر کی ہے تفصیل یقیں اور تقویٰ کے اضافے کی ہے تاویل یقیں
منصبِ مِنّا پہ سلمانؑ کو لایا تھا یقیں
کربلا میں جو بہتّر نے دکھایا تھا یقیں

(۳)
پیکرِ خاک ہے گھر اپنے مکیں سے ہٹ کر ذوقِ سجدہ ہے عبث نورِ مبیں سے ہٹ کر
ٹھیر سکتی نہیں بنیاد زمیں سے ہٹ کر حبط ہو جائیں گے اعمال یقیں سے ہٹ کر
بے یقیں ہو تو عبادت بھی اکارت ہو گی
ہو یقیں ساتھ تو پھر نیند عبادت ہو گی

(۴)
ہر کسی کو تو خزینہ یہ عطا ہوتا نہیں لاکھ کوشش کریں عقدہ یہ کشاء ہوتا نہیں
تاجور دہر میں ہر چھوٹا بڑا ہوتا نہیں ہاں بجز خالقِ اکبر کی عطا ہوتا نہیں
جاودانی کا کسی کو بھی جو ڈھب ملتا ہے
اُلفتِ آلِ محمدؐ کے سبب ملتا ہے

(۵)
نامور کتنے ہی دنیا نے یہاں رول دیئے لعل و زر کتنے ہی مٹی کے عوض تول دیئے
خام کو اس نے جواہر کے کبھی مول دیئے مُنہ خزانوں کے لٹیروں پہ کبھی کھول دیئے
اہلِ عالم کو شناسائی معیار نہ تھی
زر تھا موجود کسوٹی ابھی تیار نہ تھی

دہر میں کتنے نبیؑ اور پیمبرؑ آئے
(۶)
عقلِ انساں کی کفالت کو برابر آئے
مصطفیٰؐ صلِ علیٰ ، حیدرؑ صفدر آئے
آلِ عمرانؑ میں سب طاہر و اطہر آئے
عدل خالق نے ہمیشہ کیا احسان کے ساتھ
اُس کا احسان ہمیشہ رہا انسان کے ساتھ

لے کے اللہ کا مکتوب جہاں میں آیا
(۷)
اُس کا پیغمبرِ محبوبؐ جہاں میں آیا
ساتھ میں دین کا یعسوبؑ جہاں میں آیا
اور پھر ہادیٔ محجوب جہاں میں آیا
نورِ توحید کے مظہر تھے جو سارے آئے
دفعِ ظلمت کے لئے چودہ ستارے آئے

خلق کو تاکہ شکایات کا یارا نہ رہے
(۸)
جادۂ منزلِ عرفان بھی اِخفاء نہ رہے
بنی آدمؑ کے بھٹکنے کا بھی کھٹکا نہ رہے
رہنمائی کا بھی مقصور تقاضا نہ رہے
ہاں مگر واقفِ احساس اسے پاتے ہیں
بحرِ ایمان کے غواص اسے پاتے ہیں

جو بھی دل دولتِ عرفان سے معمور ہوا
(۹)
الفتِ آلِ محمدؐ سے شرابور ہوا
وہ کبھی خواہشِ دنیا سے نہ مخمور ہوا
اک وفادار کچھ اس طور سے مذکور ہوا
صاحبِ صبحِ یقیں ، صاحبِ توقیر تھا وہؓ
جونؓ تھا نام ، غلامِ درِ شبیرؑ تھا وہؓ

عمر بھر حیدرؑ کرار کی صحبت میں رہا
(۱۰)
اور پھر حضرتِ شبرؑ کی معیت میں رہا
اور پھر شاہِ شہیداںؑ کی اطاعت میں رہا
یونہی مصروف سدا کارِ مودّت میں رہا
بس یہی ذوق عبادت کے تئیں رکھتا تھا
شاہؑ کے نقشِ کفِ پا پہ جبیں رکھتا تھا

طرزِ مقدادؓ کو عمارؓ کو دیکھا اُس نے
(۱۱)
قنبرؓ و میثمِ تمارؓ کو دیکھا اُس نے
ابو ایوبؓ سے انصار کو دیکھا اُس نے
آلِ یٰسینؑ سے اطہار کو دیکھا اُس نے
ریشِ سلمانؓ کا سجدہ تھا درِ زہراؑ پر
جونؓ پلکوں کو بچھاتا تھا درِ مولاؑ پر

اس طَرح دولتِ انوار بسی تھی دل میں الفتِ حیدرؑ کرار بسی تھی دل میں (۱۲)
طاعتِ سیّدِ ابرارؐ بسی تھی دل میں حُبِّ حسنینؑ خوش اطوار بسی تھی دل میں
دل دھڑکتا تھا فقط کارِ مودّت کے لیے
فکر رہتی تھی فقط اجرِ رسالت کے لیے

عازمِ کرب و بلا شاہِ شہیداںؑ جو ہوئے نصرتِ دیں کے لئے دشت میں مہماں جو ہوئے (۱۳)
فخرِ یوسُفؑ جو ہوئے ، رشکِ سلیماںؑ جو ہوئے سب سے بڑھ کر کہ وہی وارثِ ایماں جو ہوئے
آلِ احمدؐ جو چلے دین بچانے کے لئے
جونؑ ہمراہ تھا پاپوش اٹھانے کے لئے

لوحِ تاریخ پہ حالات ہیں مرقوم سبھی شام والوں کے تقاضے بھی وہ مذموم سبھی (۱۴)
نسلِ سُفیاں کے عزائم بھی ہیں معلوم سبھی قتلِ شبیرؑ پہ مومن جو ہیں مغموم سبھی
ساری رودادِ سفر چھوڑ کے آتا ہوں اِدھر
صبحِ عاشور کا احوال سنتا ہوں اِدھر

دی جو ہم شکلِ پیمبرؐ نے اذاں صبح کے وقت خلد کی سمت ہوا حرؑ بھی رواں صبح کے وقت (۱۵)
جونؑ کا ذوق سبھی پر تھا عیاں صبح کے وقت یوں تھا وہ شاہؑ سے فریاد کناں صبح کے وقت
اس وفادار کو اب جامِ شہادت دیجئے
میرے آقاؑ مجھے مرنے کی اجازت دیجئے

کم عمل ہوں میں سیہ فام ہوں مجبور بہت اپنے اس حال پہ رہتا ہوں میں رنجور بہت (۱۶)
ہاں مگر آپؑ کی الفت میں ہوں مخمور بہت آپؑ کے لطف و کرم کا ہوں میں مشکور بہت
حق مِری جان کا اس طور ادا ہو جائے
جاں مِری آپؑ کے قدموں پہ فدا ہو جائے

عمر بھر آپؑ کی میں نے ہے عنایت دیکھی ہاں مگر آج تو معراجِ سخاوت دیکھی (۱۷)
فاطمہؑ زہراؑ کے رومال کی برکت دیکھی اور حرؑ ابنِ ریاحی کی شہادت دیکھی
اب مرے سامنے پرکاہ سی دنیا کیا ہے
اب میں سمجھا ہوں بھلا ''فوزِ عظیمًا'' کیا ہے

(۱۸)
کونسا ہے وہ شرف آپؑ کو حاصل جو نہیں　　کونسا وصف ہے وہ آپؑ میں کامل جو نہیں
کونسا ہے وہ ملک آپؑ کا سائل جو نہیں　　بد ہے برباد ہے وہ آپؑ کا قائل جو نہیں
اب اسی طور سے ذیشان مجھے ہونا ہے
آپؑ کے قدموں میں قربان مجھے ہونا ہے

(۱۹)
بولے شبیرؑ صعوبت نہیں دیکھی تم نے　　جونؑ ! جیون میں مصیبت نہیں دیکھی تم نے
زندگی میں کبھی کُلفت نہیں دیکھی تم نے　　اور تو اور کہ عسرت نہیں دیکھی تم نے
سو تمہیں واقفِ آزار نہیں کرنا ہے
اپنی قسمت کا سزاوار نہیں کرنا ہے

(۲۰)
زیست میں راحت و آرام کی عادت ہے تمہیں　　تم جہاں چاہو چلے جاؤ اجازت ہے تمہیں
ساتھ ہی خُلدِ بریں کی بھی بَشارت ہے تمہیں　　اور مرحمت ، مرا پیمانِ شفاعت ہے تمہیں
تم سے راضی ہوئے ہم آؤ اجازت لے لو
پئے محشر یہیں پروانۂ جنت لے لو

(۲۱)
جونؑ بولا کہ سمجھتا ہوں حقیقت مولاؑ　　مجھ پہ ظاہر ہے مرے خون کی رنگت مولاؑ
آپؑ ہیں آلِ نبیؐ عینِ طہارت مولاؑ　　سو بدل ڈالئے اب میری بھی قسمت مولاؑ
میری تخلیق کا مفہوم بھی کامل کر دیں
اِس مٹی میں مرا خون بھی شامل کر دیں

(۲۲)
حشر میں سیدِؐ ''لَولَاکَ لَمَا' بھی ہونگے　　ہونگی زہراؑ بھی علیؑ شیرِ خداؑ بھی ہونگے
میرے مولا حسنؑ سبزقبا بھی ہونگے　　اور عبّاسؑ خداوندِ وفا بھی ہونگے
سُرخرو سامنے ان سب کے رہوں گا میں بھی
میں ہوں اصحابِ حسینؑ میں کہوں گا میں بھی

(۲۳)
عرض کی جونؑ نے ، بس اذن عطا ہو آقا　　روح سے جسم کا یہ بوجھ جدا ہو آقا
یہ غلام آپؑ کے قدموں میں فدا ہو آقا　　آپؑ کا حقِ نمک کچھ تو ادا ہو آقا
جان دینے کا شرف پاؤں تو کچھ بات بنے
اس گھڑی آپؑ کے کام آؤں تو کچھ بات بنے

بولے شبیرؑ کہ احسان ہے خالق کا مِرے بالیقیں منصبِ ذیشان ہے خالق کا مِرے (۲۴)
اور اک نام جو رحمٰن ہے خالق کا مِرے مجھ پہ رحمت کا یہ دامان ہے خالق کا مِرے
میرے انصارؑ سے انصارؑ کسی کو نہ ملے
مرتضیٰؑ کو نہ ملے اور نبیؐ کو نہ ملے

شہؑ نے فرمایا ترا جذبِ عقیدت منظور میرے خالق کو ترا شوقِ شہادت منظور (۲۵)
میرے اجداد کو یہ طرزِ اطاعت منظور ہے مجھے تیرا یہ اسلوبِ مودّت منظور
آج جو مجھ سے وفا کرنے پہ آمادہ ہے
حشر میں بھی تُو مِرا ہے ، یہ مِرا وعدہ ہے

سُن کے یہ بات عجب رنگ سے سرشار ہوا تول کر تیغ کو آمادۂ پیکار ہوا (۲۶)
فرطِ جذبات سے چہرا جو تھا گُلنار ہوا رن میں جانے کو وہ یکبار یوں تیار ہوا
یک بیک خلعتِ تعظیم ملی ہو گویا
اذن کیا مل گیا اَقلیم ملی ہو گویا

خوں کی ہر بوند کو اب جوش کا عنوان کیا یا علیؑ کہہ کہ نجابت کا بھی اعلان کیا (۲۷)
مرحلہ شوقِ شہادت کا یوں آسان کیا اپنے ہاتھوں سے وہیں چاک گریبان کیا
قُدسیوں میں وہیں ہلچل ہوئی سبقت کیلئے
حجرِ اسود جو نظر آیا زیارت کیلئے

سوئے مقتل وہ چلا نادِ علیؑ پڑھتے ہوئے دم بدم کتنے شقی زیر کئے بڑھتے ہوئے (۲۸)
صف بہ صف لشکرِ باطل کی طرف چڑھتے ہوئے ریگ پہ خون سے گلہائے وفا کڑھتے ہوئے
کہہ رہا تھا کہ زباں اور بیاں سے روکوں
دشمنِ آلِ نبیؐ ، تیغ و سناں سے روکوں

جونؑ بولا کہ تمہیں خوف خدا کا بھی نہیں پاس پیغامِ محمدؐ کا ذرا سا بھی نہیں (۲۹)
دین حقّا سے تمہیں کوئی علاقہ بھی نہیں آخرت میں بھی تمہارا کوئی حصّہ بھی نہیں
شافعِ حشر کے درپے ہوئے بدکار ہو تم
بالیقیں نارِ جہنم کے سزاوار ہو تم

سورما بنتے ہو تم کفر کے پالو آؤ زَر پرستی میں پڑے خام خیالو آؤ (۳۰)
ظلم کے خوگرو ، زِندیق مثالو آؤ آؤ ابلیس کے منحوس حوالو آؤ
ایسی چوٹیں یہ سِیہ فام لگائے گا تمہیں
دودھ پھر یاد چھٹی کا ہی دلائے گا تمہیں

ایک سہہ روز کے پیاسے کے مقابل لاکھوں بولہب اور ابو جہل سے جاہل لاکھوں (۳۱)
زُمرۂ دشمنِ ایمان میں داخل لاکھوں اِک جوانمرد کے درپے ہوئے قاتل لاکھوں
وہ اکیلا انہی لاکھوں پہ مگر بھاری تھا
اس کا ہر وار مخالف کے لئے کاری تھا

تیغ کے ساتھ وہاں شعلہ مقالی اُسکی تھی مودت میں ڈھلی پختہ خیالی اُسکی (۳۲)
حق نما لہجہ و آواز بِلالی اُسکی اور شخصیتِ ہر طور جلالی اُسکی
اپنی گفتار میں وہ میثمؑ تمار لگا
تیغ آرائی میں صفین کا عمارؓ لگا

کُفرزادوں کے سبھی خواب اُجاڑے اُس نے فوجِ باطل کے قدم ایسے اُکھاڑے اُس نے (۳۳)
صف بہ صف کتنے ہی مردود پچھاڑے اُس نے سر لعینوں کے وہاں خاک میں گاڑے اس نے
بے جگر ہو کے لڑا ، ایسا جگر والا تھا
عزم کی تیغ شجاعت کی سَپر والا تھا

سائے ارواح کے اجسام کی حد سے بھاگے واں ملاعین ہزاروں کے عدد سے بھاگے (۳۴)
اس قدر ڈر کے عَدو جونؑ کی زد سے بھاگے جوں ریاکار مسلمان ، اُحد سے بھاگے
تیر انداز کو ترکش کا نہیں ہوش رہا
ہاتھ سے قوس کا چلّہ بھی فراموش رہا

پسرِ سعد ، رُخ و فرقِ شبِ تار ہوا اور ہر طور خَجل ، پیکرِ بدکار ہوا (۳۵)
بہرِ تنظیمِ سپہ ، شاملِ پیکار ہوا بندۂ حرص و ہوس مائلِ گفتار ہوا
فوجیو ! جنگ کا نقشہ نہ بدل جائے کہیں
ہاتھ سے ''رَے'' کی حکومت نہ نکل جائے کہیں

یہ صدا مقصدِ ابلیس کی توثیق ہوئی بر شیٰطین یہی رمزِ اتالیق ہوئی (۳۶)
بیعتِ فسق نئے طور سے تصدیق ہوئی ایک تنظیمِ دگر فوج کی تخلیق ہوئی
لشکرِ ظلم ، منظم ہوا پھیلاؤ میں
آ گیا جونؑ ، ملاعین کے گھیراؤ میں

فردِ یکجان ہوئے ظلم کے پیکر سارے خوگرِ کفر ، شقاوت کے پیمبر سارے (۳۷)
پل پڑے جونؑ پہ ، یکلخت ستمگر سارے نورِ کوثر کے طرفدار پہ ابتر سارے
ایک مظلوم ، ہدف سینکڑوں تلواروں کا
اک مسلمان ، عدو کفر کے بیماروں کا

خون جاری ہوا ، زخموں کی فروانی سے جان باقی تھی مگر ، قوتِ ایمانی سے (۳۸)
دشت روشن تھا اسی پیکرِ نورانی سے پھر قضا آن ملی بندۂ ربانی سے
سرورؑ دین کے یاور کے قدم چوم لئے
واں شہادت نے دِلاور کے قدم چوم لئے

عزتِ کارِوفادار اسے یاد رہی قلب میں اُلفتِ شبیرؑ ہی آباد رہی (۳۹)
دُور اس طور ہر اک درد کی اُفتاد رہی آخری وقت لبوں پر یہی فریاد رہی
آخری مرحلہ ذیشان بنادیں مولاؑ
پھر سے اک بار زیارت ہی کرا دیں مولاؑ

جاں بہ لب دیکھ اُسے ساقیِ کوثر آئے عرشِ اعظم سے حسنؑ اور پیمبرؐ آئے (۴۰)
ساتھ شبیرؑ کے عباسِ دلاور آئے قاسمؑ و عونؑ و محمدؑ ، علیؑ اکبر آئے
اس سے پہلے کہ جری قصرِ عدن میں پہنچے
جونؑ کے پاس سبھی چشمِ زدن میں پہنچے

بنی ہاشم کو اُدھر فوج نے آتے دیکھا چشمِ خورشید نے پھر فوج کو جاتے دیکھا (۴۱)
ہر سپاہی کو وہاں جان بچاتے دیکھا پھر کمینوں کو کمیں گاہ بساتے دیکھا
اشقیا چھٹ گئے میدان سے کائی جیسے
پھر گئی دشت میں یکلخت صفائی جیسے

چاپ قدموں کی سُنی ، جونؑ نے اوپر دیکھا (۴۲) بنی ہاشمؑ کو معِ سبطِ پیمبرؐ دیکھا
ہر پیمبرؑ نے تحیّر سے یہ منظر دیکھا یوں مخاطب وہاں عزریلؑ کا پیکر دیکھا
اذنِ شبیرؑ سے اعزاز یہی پانا ہے
جونؑ کی روح کو ہمراہ لئے جانا ہے

جونؑ کہنے لگا ، اَے سبطِ پیمبرؑ مولاؑ! (۴۳) آج معذور ہے اُٹھنے سے یہ پیکر مولاؑ!
کب گماں تھا ، یہ سعادت ہے مقدر مولاؑ! سر کُجا میرا ، کُجا زانوئے اطہر مولاؑ!
شاہؑ سر زانو پہ رکھتے وہ ہٹا دیتا تھا
اپنے لب شاہؑ کے قدموں سے لگا دیتا تھا

رو کے پوچھا ، کہ میری نذر تو مقبول ہوئی (۴۴) عفو کیجئے گا خدارا ، جو کوئی بھول ہوئی
زندگی آپؑ کی طاعت میں جو مشغول ہوئی موجِ کوثر ہے اب اس روح کو موصول ہوئی
مدتوں بعد ادا پھر یہ عبادت ہوگی
آپؑ کے نانؐا کی بابؑا کی زیارت ہو گی

مخزنِ عظمت و توقیر یہی کہہ پائے (۴۵) پیکرِ آیۂ تطہیر یہی کہہ پائے
ہو کے نم دیدہ و دلگیر یہی کہہ پائے جونؑ کی لاش پہ شبیرؑ یہی کہہ پائے
میرے اللہ بدن اس کا معطر کر دے
اس کے چہرے کو درخشاں و منور کر دے

سب مقاتل میں ہے ذیشان اسی طور ہوئی (۴۶) زینتِ منصبِ انسان اسی طور ہوئی
حُبِ شبیرؑ کا عنوان اسی طور ہوئی جونؑ کی لاش کی پہچان اسی طور ہوئی
اس کی تجسیم وہاں مطلعِ انوار ہوئی
مشک و عنبر سے سِوا ، لاش مہکبار ہوئی

جونؑ ! جاری ہے تیری ذات پہ ہر آن سلام (۴۷) کر رہا ہے تجھے کونین کا سلطان سلام
اور کرتی ہے تجھے عترتِ عمرانؑ سلام دست بستہ نہ کرے کیوں تجھے رضوانؔ سلام
کربلا میں ہے تجھے شاہِ شہیداںؑ کا سلام
ناحیہ میں ہے تجھے حجتؑ دوراں کا سلام

❁❁❁❁

# عہد ساز اشرف عباس۔۔ایک تاثر

جوہرؔ عباس

یہ سن ۱۹۹۹ء کے عشرۂ محرّم کی بات ہے جب میں آٹھویں جماعت کا طالبِ علم تھا۔علّامہ طالب جوہری اُس برس قدیم رضویہ سوسائٹی میں رات کو عشرۂ محرم سے خطاب فرما رہے تھے۔قبلہ کو قریب سے سننے کے اشتیاق میں (جس کا موقع کم کم ہی نصیب ہوتا تھا) مَیں ایک مجلس میں وقت سے پہلے پہنچ گیا۔سوز خوانی کے بعد علامہ صاحب کے زیبِ منبر ہونے سے قبل سیاہ شیروانی اور چوڑے پائنچوں کے پاجامے میں ملبوس ایک وضع دار بزرگ کو منبر پر سلام پیش کرنے کی دعوت دی گئی۔ان بزرگ نے ڈاکٹر پیام اعظمی (انڈیا) کا معرکہ آرا مخمّس 'چودہ صدیاں بیت گئیں شبیرؑ کا چرچا باقی ہے' کچھ اس انداز سے اپنے سادہ و پُرکار لحن میں پیش کیا کہ بارگاہِ رضویہ کا ہال سامعین کے فلک شگاف داد وتحسین کے نعروں سے گونج اٹھا۔اس کلام کے دو ٹیپ کے مصرعے اب بھی میری سماعت میں تازہ ہیں

جس نے تجھے مارا تھا طمانچہ دیکھ وہ پنجہ باقی ہے

اے کعبے کے ٹھیکے دارو! کعبے والا باقی ہے

یوں مجھے اشرف عباس صاحب کی پہلی زیارت نصیب ہوئی اور ان کی آواز جاگزینِ سماعت ہوگئی۔یہ آٹھ محرّم کی تاریخ تھی۔اگلے روز نو محرّم (شبِ عاشور) کو اشرف عباس صاحب نے مولانا حسن امداد مرحوم کا غم آگیں مخمّس 'کربلا ہو چکی تیّار تقدّم وَلَدی' پیش کیا۔آج فضا کل سے یکسر مختلف تھی۔مجلس کے شرکا بے اختیار گریہ کر رہے تھے اور چاروں طرف آہ و بکا کا شور تھا۔۔۔مولانا حسن امداد کا یہ کلام اشرف عباس مرحوم کی سلام خوانی کا طُرّۂ امتیاز بن گیا۔

اشرف عباس مرحوم نے کراچی کے مرکزی عشرۂ مجالس نشتر پارک کے منبر پر ۵۰ برس سے زیادہ مسلسل سلام گزاری کی عبادت انجام دی۔اپنی یادداشتوں پر مبنی کتاب 'قصّہ نصف صدی کا' میں رقم طراز ہیں کہ علّامہ رشید ترابی نے انھیں اپنی تقریر سے قبل منبر پر سلام پیش کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی اور یوں وہ مسلسل منبر پر خطابت سے قبل سلام گزاری کرتے رہے۔۱۴۴۰ھ کے عشرۂ محرم میں انھوں نے آخری مرتبہ نشتر پارک میں سلام گزاری کی سعادت حاصل کی۔

اشرف عباس مرحوم کی شخصیت میں ایک خاص رکھ رکھاؤ اور وضع داری تھی۔ان کے قریب رہنے والوں کا بیان ہے کہ وہ بہت کم گو تھے۔بلاضرورت کلام نہیں کرتے تھے۔عزاداری سے ان کے لگاؤ کا یہ عالم تھا کہ وقتِ مقرّرہ سے قبل مجلس میں پہنچ جاتے تھے اور منتظمین کی نااہلی کی وجہ سے اکثر انھیں خاصا انتظار کرنا پڑتا تھا۔

خوددار ایسے کہ نہ کبھی منتظمین سے کنوینس طلب کیا اور نہ کبھی لفافہ قبول کیا۔۔۔کہ ایسا کرنا ان کی تربیت میں شامل نہیں تھا۔اشرف عباس

نے ذکرِ محمدؐ و آلِ محمدؐ سے بے پناہ عزّت کمائی۔ وہی عزّت ان کا سب سے قیمتی سرمایہ تھا۔

انتقال سے پانچ چھے برس قبل ان کا ایک سنگین نوعیت کا حادثہ ہوا تھا جس میں انھیں شدید چوٹیں آئی تھیں تاہم اس حادثے کے بعد بھی وہ تادمِ آخر اپنی عزائی خدمات بخوبی انجام دیتے رہے۔

ان کی شخصیت میں جو متانت تھی اس کا عکس ان کے انتخابِ کلام میں بھی نظر آتا تھا۔ ہمیشہ ایک سے بڑھ کر ایک اعلیٰ پائے کے کلام نذرِ سامعین کیے۔ سلام پڑھتے ہوئے کبھی ہاتھوں کو جنبش نہیں دیتے تھے۔ بڑے اطمینان، ٹھہراو اور صحتِ تلفّظ کے ساتھ ایک ایک مصرع ادا کرتے تھے۔ اُن کی سلام گزاری ان اوصاف سے مزیّن تھی۔

مرحوم کے انتقال کے بعد ان کے ایک سچے عقیدت مند حیدر عباس سے ایک حیرت انگیز بات معلوم ہوئی۔ وہ یہ کہ ایک سال شبِ عاشور کو مولاؑ کے اس مخلص ذاکر پر دو قیامتیں ایک ساتھ ٹوٹ پڑیں۔ پہلے والدہ کا انتقال ہوا اور اس کے کچھ دیر بعد صاحبزادی بھی دنیاے فانی سے کوچ کر گئیں۔ یہ سانحہ کسی بھی انسان کے حواس متزلزل کر دینے کے لیے کافی ہے لیکن کمالِ ضبط دیکھیے کہ سیدِ مظلوم کا یہ منظورِ نظر سلام گزار صبحِ عاشور وقتِ مقرّرہ پر نشتر پارک پہنچا اور حسبِ معمول سلام پیش کیا۔ اللہ اکبر!!!

عہد ساز سلام گزار اشرف عباس مرحوم کی جانب سے پیش کردہ چند معرکہ آرا سلام جو یوٹیوب پر تلاش کر کے سنے جا سکتے ہیں۔ شاعر کے نام کے ساتھ درج کر رہا ہوں۔

| | |
|---|---|
| ۱۔ کربلا ہو چکی تیّار تقدّم وَلَدی | (مولانا حسن امداد) |
| ۲۔ اِس چاند کی دس کو سانجھ تلک شبیرؑ سے دنیا خالی تھی | (حضرت نجمؔ آفندی) |
| ۳۔ اس علَم سے ہم سبھوں کی شان ہے | (علّامہ رشیدؔ ترابی) |
| ۴۔ ہے یہی وقت اِن کا دامن تھام لے | (علّامہ رشیدؔ ترابی) |
| ۵۔ چراغِ طور جلایا ہے روشنی یوں ہے | (علّامہ رشیدؔ ترابی) |
| ۶۔ کسی کے وقت کا تابع ہوں جب تک مَیں ہوں محفل میں | (علّامہ رشیدؔ ترابی) |
| ۷۔ صلہ مدّاح کو یہ مدحتِ حیدرؑ سے ملتا ہے | (مولانا محمد مصطفیٰ جوہرؔ) |
| ۸۔ حسینؑ ابنِ علیؑ کا غم دلِ مضطر میں رہتا ہے | (مولانا محمّد مصطفیٰ جوہرؔ) |
| ۹۔ ہم کو کرسی نہ جاہ و حشم چاہیے، ہم کو دولت نہ دولت سرا چاہیے | (علامہ طالب جوہری) |
| ۱۰۔ جو بھی راہِ علم و عمل میں پیر و فکرِ بوذر رہوگا | (علّامہ طالبؔ جوہری) |
| ۱۱۔ چودہ صدیاں بیت گئیں شبیرؑ کا چرچا باقی ہے | (ڈاکٹر پیامؔ اعظمی) |
| ۱۲۔ ہر مشکل میں دافعِ مشکل پرچمِ حیدرؑ آج بھی ہے | (شاہدؔ نقوی) |
| ۱۳۔ مجھ سے کہا جبریلِ ولا نے مدحِ علیؑ تحریر کرو | (شاہدؔ نقوی) |

۱۴اے زندگی کے مطلعِ تاباں تجھے سلام (حضرت شاہد تقوی)

۱۵یہ تیغ یہ کتاب یہ سجدہ علیؑ سے ہے (نصیر ترابی)

۱۶ہم نے ذکرِ حیدرؑ میں وقف زندگی کی ہے (کوثر نقوی)

اس کے علاوہ ہر برس نشتر پارک میں آپ حضرت جوش ملیح آبادی کا مسدّس 'ہم راز یہ فسانۂ آہ وفغاں نہ پوچھ' پیش فرماتے تھے اور ۲۱ رمضان المبارک کو ڈاکٹر پیام اعظمی کا ایک مسدس جس کا آخری بند آج بھی سماعتوں میں تازہ ہے:

محراب میں علیؑ ہیں تو مِنبر پہ ہیں علیؑ ہجرت کی شب رسولؐ کے بستر پہ ہیں علیؑ
کعبہ گواہ دوشِ پیمبرؐ پہ ہیں علیؑ جنّت علیؑ کی مِلک ہے کوثر پہ ہیں علیؑ
ہر جا علیؑ ملیں گے نہ دامن بچایئے
بچنا علیؑ سے ہے تو جہنّم میں جایئے

جونیئر سلام خوانوں کو اشرف عباس مرحوم کے معیارِ انتخاب سے کلام کا انتخاب سیکھنا چاہیے!!!

کل رات شاعرِ اہل بیتؑ ظفر عابدی صاحب نے بتایا کہ مولانا رضی جعفر نقوی مجتہد نے عہد ساز سلام گزار محترم اشرف عباس مرحوم کو ان کی زندگی میں 'عندلیبِ گلستانِ فصاحت' کا خطاب عنایت فرمایا تھا۔

ہمارے لائقِ صد احترام دیرینہ دوست اور کرم فرما سید رفیق عباس جعفری نے اِس خطاب سے استفادہ کرتے ہوئے اشرف عباس مرحوم کی حیرت انگیز تاریخِ وفاتِ عیسوی برآمد کر کے مرحوم کو بہترین خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔

''عندلیبِ گلستانِ فصاحت اشرف عبّاس''
۲۰۲۰ء

حق سبحانہٗ وتعالیٰ اشرف عباس صاحب کو جوارِ محمد وآلِ محمد علیہم السلام نصیب فرمائے اور ان کے عزائی آثار کو مخلص ترین امانت دار نصیب کرے۔ آمین

❁❁❁❁

اپنے مضامین، سلام، نوحہ جات اور غیر مطبوعہ مرثیے ہمیں مندرجہ ذیل ای میل ایڈریس پر بھیجیے تا کہ انھیں ''فروغِ مرثیہ'' کے آئندہ آنے والے شماروں کی زینت بنایا جا سکے۔

faroghemarsiya@gmail.com

# ممتاز عالم و ماہر فن موسیقی سوز خوانی

## مہدی ظہیر ضوکلیمی کی شاعری مدح محمد و آل محمد میں

پروفیسر ضمیر حیدر

میرا ذوق وشوق ان معروف شخصیات کا کھوج لگانا ہے جن سے میں اپنے بچپن سے متاثر تھا، اور میرا یہ شوق کل وقتی نہیں بلکہ گھر، کالج، خاندان، مذہبی سماجی خدمات کے بعد جو وقت بچتا ہے اپنے اس شوق کی نذر کرتا ہوں

خدا کا شکر ہے کہ سوشل میڈیا کے دور میں رابطے بہت آسان ہو گئے ہیں، لیکن لوگ روزی روٹی کے چکر میں ایسے پڑے ہیں کہ دوسروں کے لیے وقت نہیں خاص طور پر جب آپ کوئی تحقیقی نوعیت کا کام کر رہے ہوں تو مشکل اس وقت پیش آتی ہے کہ جب کوئی ایسی شخصیت کے بارے میں پوچھ گچھ کی جارہی ہو جسے دنیا سے گزرے کئی برس گزر چکے ہوں اور اب اس کا کوئی ذاتی شناخت اور حلقہ احباب بھی دنیا سے رخصت ہو گیا ہو جو لوگ کچھ شناسائی رکھتے ہوں، تو لوگ مختلف بہانوں سے اپنی جان چھڑاتے ہیں، مجھے گزشتہ دنوں اس کا ایک مرتبہ پھر تجربہ ہوا۔

خیر مجھے تلاش تھی مہدی ظہیر ضوکلیمی مرحوم کے کلام کی،

نمونہ کلام کے طور پر جو رباعی شہید پروفیسر سید سبط جعفر زیدی کی وجہ سے بہت مشہور ہوئی وہ فن سوز خوانی سے متعلق ہے

ہو ذکر شہ تو فضا درد ناک کر پہلے — نوائے غم کے گریباں کو چاک کر پہلے
رہے ذرا بھی نہ آلائش طرب باقی — سروں کو سوز کے دریا میں پاک کر پہلے

یہ رباعی شہید سبط جعفر زیدی نے اپنی تصنیف کردہ کتاب ''صوتی علوم وفنون اسلامی'' کے صفحہ نمبر ۴۷ پر ''سوز خوانی کے مقاصد اور آداب ادائیگی'' کے باب میں درج کی ہے۔

راقم الحروف کے پاس ایک ۷۰ سال پرانا بوسیدہ سا کتابچہ ہے جو صفحہ نمبر ۹ تا صفحہ نمبر ۴۸ تک ہے ان اوراق میں مختلف شعراء کا کلام درج ہے سب سے اچھی یہ بات ہے کہ ہر صفحہ کے دائیں جانب کتاب کا نام ''فرمودہ غم'' اور بائیں جانب سنہ اشاعت ۱۳۷۵ھ درج ہے پیش نظر صفحہ ۹ پر ارم لکھنوی کا تصنیف کردہ نوحہ ''رو کے پکاریں زینبِ مضطر ہائے حسینا ہائے حسینا''، ۷ اشعار کے علاوہ ایک رباعی در مدح شہزادہ علی اصغر علیہ السلام، آثم اکبرآبادی کی تصنیف کردہ درج ہے

صفحہ نمبر ۱۷ پر جناب حامد حسین حامد فیض آبادی کا تصنیف کردہ نوحہ ''تکمیلِ شہادت میں شہؑ کا یوں ہاتھ بٹایا زینبؑ نے''، ۷ اشعار کے علاوہ اسی صفحہ پر ترچھے چار مصرعے جناب ضوکلیمی لکھنوی یوں درج ہیں

صدیوں سے غم شاہ ہوا کرتا ہے — ہر غم کدہ تجدید عزا کرتا ہے
ہے پشت پہ تاریخ کی اک کہنہ زخم — جو ماہ محرم میں رسا کرتا ہے

اسی طرح ''فرمودہ غم'' کے صفحہ نمبر ۳۲ پر جناب بشارت حسین بشارتؔ کا تصنیف کردہ نوحہ ''حسینؑ اس طرح اپنی دنیا لٹا کے اپنے وطن سے نکلے'' ۷ اشعار کے علاوہ پھر ترچھے چار مصرعے جناب ضوؔ کلیمی لکھنوی کے درج ہیں

پیغمبرِ معراجِ شہادت ہیں حسینؑ — اور محفلِ پنجتن کی زینت ہیں حسینؑ
جس نے کہ خریدی ہے بقائے اسلام — اس جنس گراں کی وہی قیمت ہیں حسینؑ

ان دو رباعیوں کے علاوہ ۱۹۸۱ء کا ایک مجلّہ ''عزّت'' بیادِ عزّت لکھنوی مرحوم ۱۹۸۱ء کے صفحہ نمبر ۲۸ پر مہدی ظہیر ضوؔ کلیمی مرحوم کی ایک تعزیتی نظم ''عزّت اٹھ گیا'' ملی جو درج ذیل ہے

نوحہ خواں ہے آج خود نوحہ کہ عزّت اٹھ گیا — اور قصیدہ دیتا ہے پرسہ کہ عزّت اٹھ گیا
قبرِ خاموش میں اک آواز سوئی لٹ گیا — اک عزاداروں کا سرمایہ کہ عزّت اٹھ گیا
کوئی جنّت میں کہے گا ترجماں آیا میرا — پھر سنا'' اب آئے ہو بابا'' کہ عزّت اٹھ گیا
یادِ ماضی تعزیت ہے شیعہ کالج لکھنو — اتنی دیرانہ رفاقت کا تھا گہوارہ کہ عزّت اٹھ گیا
لکھنوی تہذیب کی وہ اک مجسّم شخصیت — ایک نازک قمقمہ ٹوٹا کہ عزّت اُٹھ گیا
ہم نوا ، اک بلبلِ مدحت میں تھے ذہن و گلو — ہے ثنا کا پھول پژمردہ کہ عزّت اٹھ گیا
قبر میں اب دفن ہے ظفرالایماں کی بیاض — ہوگئی اک انجمن تنہا کے عزّت اٹھ گیا
شاہد و کرار و عزّت ، ضو رفاقت کی لڑی — ہائے بکھرا کیسا شیرازہ کہ عزّت اٹھ گیا

مجھ سے پہلے اٹھ گیا اے ضوؔ میرا کم عمر دوست
اپنے جینے پر ہوں شرمندہ کہ عزّت اُٹھ گیا

یہ وہ کلام تھا کہ جو میں تلاش کر پایا، تلاش جاری رہی، کہ یاد آیا ''قصبہ شکارپور کے معلوم مرثیہ نگار'' پر تحقیق کام کرتے ہوئے ''بیسویں صدی اور جدید مرثیہ'' کے صفحہ نمبر ۳۲۳ تا ۳۲۷ پر جہاں قصبہ شکارپور کے مرثیہ گو حیدر حسن ناظمؔ کا تذکرہ ختم ہوتا ہے، وہیں مولانا سید سجاد حسین طورؔ مرحوم کا تذکرہ ہے جو مہدی ظہیر ضوؔ کلیمی کے والد گرامی ہیں، اور وہ محسن ذوالقدر (شاگردِ انیسؔ) کے شاگرد ہیں جن کے تصنیف کردہ ۲۹ مرثیے ان کے بڑے بیٹے مولوی سید ابن حسن کے پاس موجود ہیں۔

اس معلومات کے بعد راقم الحروف نے عاشور کاظمی مرحوم کی کتاب ''اردو مرثیے کا سفر'' کے صفحہ نمبر ۲۷۱ تا ۲۷۳ پر طورؔ جونپوری (۱۸۹۱-۱۹۵۶ء) کا تذکرہ پڑھا جس سے معلوم ہوا کہ دہلی سے اس کتاب کی اشاعت ۲۰۰۶ء تک طورؔ جونپوری کے مرثیے اشاعت کی منزل تک نہیں پہنچے تھے ''اخبار نگار کے خصوصی شمارے ابوالفضل عباسؑ'' کا حوالہ دیتے ہوئے ایک مرثیہ کے پانچ بند درج کیے ہیں مطلع ملاحظہ فرمائیں

اے قلم وسعتِ میدانِ فصاحت دکھلا — لطفِ معنی و بیاں حسنِ بلاغت دکھلا
منبع فکرِ رسا ذہن کی جودت دکھلا — آج پھر جوش میں ہاں زورِ طبیعت دکھلا

فہمِ مطلب میں نہ ہرگز کوئی ناکام رہے
خاص ہو طرزِ سخن لطف مگر عام رہے

اس مقام پر ذہن یہ دعوتِ فکر دے رہا ہے کہ عاشور کاظمی مرحوم نے مہدی ظہیر مرحوم مخاطب کر کے یہ جملے لکھے ''حضرت ضوکلیمی خود شاعر ہیں۔اور یہ ۲۹ مرثیے ان کا ورثہ ہیں خدا کرے یہ خزینہ انہیں مل گیا ہو یا مل جائے اور وہ اسے شائع کرا سکیں'' (اردو مرثیے کا سفر صفحہ ۲۷۲) یقیناً انہیں خبر نہیں تھی کہ وہ جسے مخاطب کر کے یہ جملہ لکھ رہے ہیں وہ کتاب کی اشاعت سے ۱۸ سال پہلے اس دنیائے فانی سے رخصت ہو چکے ہیں، خود ضوکلیمی کا کلام، ۳۶ برس گزر جانے کے بعد تشنہ اشاعت ہے یہ ہی جذبہ محرک بنا کہ مہدی ظہیر مرحوم کی تلاش۔

اصغر مہدی اشعر کی ادارت میں شائع ہونے والا سہ ماہی رسالہ ''فروغ مرثیہ'' شمارہ اول اگست ۲۰۲۰ بمطابق ۱۴۴۲ھ کا اختتام صفحہ نمبر ۷۸ مہدی ظہیر) ضوکلیمی) کے تصنیف کردہ سلام پر ہوتا ہے، جس کا کوئی حوالہ درج نہیں

مطلع:- کربلا مظلومیت کی داستان صبر ہے

ہیں ملک حیراں کہ یہ انساں کی شان صبر ہے (کل ۱۷ اشعار)

مہدی ظہیر صاحب کے کلام کی تلاش نے راقم الحروف کو ان کے صاحب زادے عاطف مہدی صاحب تک پہنچا دیا تو معلوم ہوا، کہ ان کا (مہدی ظہیر ضوکلیمی) بھی کوئی شعری مجموعہ شائع نہیں ہوا، ان کے پاس دو بیاضیں اس وقت تک باقی بچی ہیں، جن میں سے وہ غزلیات کا حصہ خود قلم بند کر رہے ہیں، ۲۹ نومبر ۲۰۲۳ء بروز بدھ جو دو غزلیں انہوں نے وٹس ایپ کیں ان کے مطلعے درج ذیل ہیں

مطلع:- جب کوئی نیا ارمان دل کی آغوش میں پلنے لگتا ہے

انجام کی منزل پانے کو آغاز مچلنے لگتا ہے (کل ۱۷ اشعار)

دوسری غزل

مطلعٔ اول:-ادھر عاصی کے اشکوں میں ندامت مسکراتی ہے

ادھر فرط کرم سے چشم رحمت مسکراتی ہے

مطلع دوم:-کسی کی بے رخی میں شان دعوتِ مسکراتی ہے

مجازی پردوں میں چھپ کر حقیقت مسکراتی ہے (کل ۱۹ اشعار)

مہدی ظہیر ضوکلیمی کا خاندانی نام سید افتخار مہدی ہے جو ناپارہ ضلع بہرائچ یوپی انڈیا ۱۹۲۷ء کو متولد ہوئے

کم عمری سے شاعری کا آغاز کیا، ۱۵ سال کی عمر میں ایک نوحہ کہا جو آج بھی انجمن عباسیہ ناپارہ ضلع بہرائچ کے صاحب بیاض مخصوص تاریخوں پڑھتے ہیں، ان کے علاوہ خاندان اور غیر خاندان کی خواتین آج بھی یہ نوحہ پڑھتی ہیں

ملاحظہ فرمائیں نوحہ در حال ابوالفضل العباسؑ

شاہ فرماتے تھے سر پیٹ کے بھائی عباسؑ — ہائے کس وقت میں کی تم نے جدائی عباسؑ

کل تو ہر گام پہ تم سینہ سپر تھے جس کے — آج اعدا میں ہے تنہا وہی بھائی عباسؑ

کٹ گئے ہاتھ تو دانتوں سے علم کو روکا — تم نے یوں شان علمدار دکھائی عباسؑ

نہر پر قبضہ تھا دو روز کے پیاسے تھے تم — مرتے دم تم نے نہ کیوں پیاس بجھائی عباسؑ

عمر بھر مجھ کو نا بھائی کہا آقا کے سوا — ختم ہے تم پہ وفا اے میرے بھائی عباسؑ

کربلا والوں کے کاش اپنی بھی جاں کام آتی          ضَو بھی ہوتا تیرے قدموں کا فدائی عباس

گزشتہ سطور میں عاطف مہدی صاحب نے اپنے والد مرحوم کی جن دو ڈائیریوں کا ذکر کیا، اس میں ایک عربی کلام پر مشتمل ہے، دوسری میں اردو شاعری مختلف اصناف میں ہے، اس ڈائیری کے متعلق انہوں نے مجھے کہا، اس ڈائری میں کلام ترتیب وار نہیں صفحات گڈ مڈ ہیں بہر حال اپنی دانست میں جو ترتیب بن رہی ہے پیش کرتا رہوں گا، یہ ڈائری تقریباً پچاس سال (۵۷) پرانی ہے صفحے پلٹتے ہوئے بھی احتیاط کرنا پڑتی ہے (۷ دسمبر ۲۰۲۳ء) اب آپ خود اندازہ لگائیں کہ روشنائی والے قلم سے لکھے گئے شکستہ صفحات کس حال میں ہونگے۔

مجھے جو انہوں نے پہلا کلام بھیجا وہ ایک سلام ہے جس کے متعلق اس صفحہ پر تحریر کیا ''حسینہ ایرانیان میں پڑھا گیا، حضرت جوش ملیح آبادی کے مرثیہ نو کی پیش خوانی میں۔ ربیع الاول ۶۶ء یعنی ۱۹۶۶ء

ان صفحات کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ شاعر نے اپنی پہلی آمد کو قرطاس کے حوالے کیا ہے، بہت سے اشعار قلم زد کئے گئے ہیں کچھ اشعار سرخ رنگ سے لکھے گئے ہیں یعنی ان صفحات پر وہ اشعار درج نہیں جو شاعر مجلس یا محفل کے لیے منتخب کرتا ہے، اور جب وہ اپنی شاعری کو مجموعے کی زینت بناتا ہے پھر سے کلام کو صیقل کرتا ہے، اور یہ ہی حال تمام کلام کا ہے، کوشش کر کے جو اشعار سمجھ آئے وہ تمام بھیجے کلام سے عنوانات کے تحت پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، سلام کا مطلع

۱۔ ہے صدا کیا چیز؟ لہروں کا پیامِ ارتعاش          سن وہ آئی کربلا سے اک صدائے دل خراش

۲۔ شہ کا غم جھیلے تو ریزہ ریزہ ہو کوہ گراں          ذرہ کا ناقابل تقسیم جز ہو پاش پاش

۳۔ قید کر لوں میں ذرا مضمون آوارہ کی روح          تیشۂ تخئیل! ہاں جلد اک نیا پیکر تراش

۴۔ کھنچ گئی اشک سرمژگاں میں تصویر خیال          شہؑ کے ہاتھوں پر تڑپتی ہے علی اصغرؑ کی لاش

۵۔ کیا سرشت کوفیاں میں تھا بجز ظلم و فریب          آگ کی سوغات، چھالا، خار کا تحفہ خراش

۶۔ اک طرف اصنام کعبہ اک طرف ضرب علی          ایک گرز بت شکن سو تیشہ ہائے بت تراش

۷۔ ہو سکی اب تک نہ جو قبر فراموشی میں دفن          آج تک ہے دوش لعنت پر یزیدیت کی لاش

۸۔ اندر اندر زہر پروریوں ہوئی جلد عناد          کربلا میں ہے وہ پھوڑا بدر میں جو تھی خراش

۹۔ سوگواروں کی ندا ''یالیتنا کنا معك''          ہم بھی تیرے ساتھ آقا! کربلا میں ہوتے کاش

۱۰۔ بولیں صغری موت ہے لاوارثی کی زندگی          آپ اپنی قبر کھودوں آپ اٹھاؤں اپنی لاش

۱۱۔ مرحبا اے کربلا کے زخمۂ سوز آفریں          ہے تیرا ممنوں ابد تک تار دین ارتعاش

۱۲۔ ہیں بہت نازک مراحل ممبر و محراب کے          جب کیا جائے انھیں وابستۂ کسب معاش

۱۳۔ درمیانِ مجلس شہؑ چوں بہ بارو چشم تر          باز نواں گفت دامن تر مکن ہوشیار باش

۱۴۔ سوچکا جب گھر کا گھر مقتل میں جا کر عصر تک          ہائے کب جاگے غشی سے عابد صاحب فراش

۱۵۔ اے پدر کے دل کی میزاں کس کا پلہ تھا گراں          ایک چلو خون اصغرؑ یا علی اکبرؑ کی لاش

مقطع:- ہو نہ اک تخئیل گفتہ کی صدائے بازگشت ضوؔ بزعم خود کیا ہے جو نیا مضموں تلاش

انصاف سے قارئین بتلائیں یہ تعلیٰ مہدی ظہیر ضوؔ کلیمی مرحوم پر کتنا جچتی ہے اس کا اندازہ ان کے دیگر نمونے کے طور پر دیئے گے کلام سے ہو جائے گا۔

ایک اور سلام ''ماہِ صفر ۶۶ (۱۹۶۶ء)'' جو سلام درج کیا جائے گا اس کے آخری صفحہ پر پہلے سلام کے شعر نمبر ۲ کو یوں درج کیا ہے اور لکھا ہے'' اس شعر کو مطلع کی شکل میں یوں رکھا جا سکتا ہے

شہؑ کا غم جھیلے تو کوہ صبر بھی ہو پاش پاش
ذرہ کا ناقابل تقسیم جز ہو قاش قاش

پھر سرخ رنگ کے قلم سے اس سطر اور شعر پر خط کھینچ دیے گئے ہیں سلام کا مطلع

۱۔ حریف طرز غزل ہیں سلام کے آداب ہیں اپنی اپنی جگہ ہر مقام کے آداب
۲۔ وفا میں رچ گئے یوں احترام کے آداب کہ بھائی بھائی سے برتے غلام کے آداب
۳۔ ملا انیسؔ سے سب کو ادب کا سرمایا زبانِ درد نے سیکھے کلام کے آداب
۴۔ درود بہرے محمدؐ بکا برائے حسینؑ ہر اک نام سے وابستہ نام کے آداب
۵۔ مجھے عزیز ہیں وہ ٹھوکریں حوادث کی سکھاتی ہیں جو علیؑ تیرے نام کے آداب
۶۔ کھنچ آئے تیر کف پا سے اور نہ ہو محسوس ہیں پیشِ رب یہ قعود و قیام کے آداب
۷۔ جبیں تھی سجدے میں یا تیر گوشت میں پیوست یہ تھے خصوعِ نمازِ امامؑ کے آداب
۸۔ زبانِ خشک کی جنبش تھی خطبۂ اصغرؑ سکوت میں نکھر آئے کلام کے آداب
۹۔ بلا کے خاروں پہ وہ نفس مطمئن بن کر رہ رضا میں حسینی خرام کے آداب

شعر نمبر ۶ اور شعر نمبر ۷ کے مضامین کو ضوؔ کلیمی صاحب نے اس طرح بھی قلم بند کیا ہے

۱۰۔ کھنچ آیا تیر کف پا سے اور خبر نہ ہوئی حضور رب یہ مثالی قیام کے آداب
۱۱۔ جو تیر پا میں تو سجدہ خصوع میں پیوست یہ تھے خصوع نماز امام کے آداب
۱۲۔ سکھائے وحیِ ''خم لیل'' نے مزمل کو عجب ریاضت مشرب میں قیام کے آداب
۱۳۔ تواضع اپنے ہی قاتل کو جام شیر سے ہو کچھ اہل ظرف سے سیکھا انتقام کے آداب
۱۴۔ جیاں کو منزل یک شب کچھ اس طرح پا لے سفر مزاجیٔ اہلِ خیام کے آداب
۱۵۔ شمیمِ باغِ جناں آئی نام زہراؑ سے ولا نفس تھے جو حشی مشام کے آداب
۱۶۔ انا رسول کی قائم ''من الحسین'' سے ہے ہیں اک دعوت فکر اس کلام کے آداب
۱۷۔ ملک کو پھر کیا قدرت نے وحی پر معمور سکھائے پہلے درود و سلام کے آداب

قارئین اکرام اس سلام کے دو اشعار اور ہیں ایک شعر قلم زد ہے دوسرا پڑھنے میں نہیں آ رہا مقطع نہیں ہے عین ممکن کے کہ اگلا صفحہ ضائع

ہوگیا ہو عاطف صاحب نے راقم کو یہ سلام جتنا بھیجا یہاں لکھ کر آپ کے حوالے کیا، اگلے دو صفحات پر جو کلام ہے، اس کے آغاز سے پہلے درج ہے'' کورنگی میں تیرا رجب کے سلسلے کا مقاصدہ نومبر ۶۶ء (۱۹۶۶)

منقبت کے ۸ اشعار ہیں اس کلام میں بھی تخلص کا شعر نہیں ہے ملاحظہ فرمائیں

مطلع اول کیا کیا فضیلتیں ہیں علیؑ تیری ذات میں ادراک تولتا ہے جھنیں معجزات میں

مطلع دوم سرگوشیاں یہ ہوتی ہیں لات ومنات میں اک گرز بت شکن ہے کہیں اپنی گھات میں

مطلع سوم صل علی کی دھوم مچی کائنات میں خیبر کشا کے آئے قدم کائنات میں

۴۔ لو آج بائے کعبہ کو نقطہ ہوا نصیب ہے تہ بہ تہ جو نکتہ حجاب نکات میں

۵۔ ابجد تھے علم حضرت آدم کے واسطے اسماء چند لوح وقلم کے لغات میں

۶۔ حفظ نبی میں ورثۂ بوطالبی ملا یوں باقیات میں ہیں علیؑ صالحات میں

۷۔ فراریت کی نفی ہے کراریت کا ناز بند اور بڑھ رہے ہیں قبائے صفات میں

۸۔ کچھ وہ قدم جو کوہ پہ جا کر ٹھہر سکے کچھ وہ قدم جو کوہ خود اپنے ثبات میں

در مدحِ جنابِ شہزادی کونین فاطمہ زہرا صلوت اللہ علیہا

۱۔ رباب ولایہ دن تبریک کے شایاں ہے معصومۂ عالم کا جو مولد ذیشاں ہے

۲۔ رشتوں کی فضیلت میں یوں سیدہؑ حیراں ہے اک پلہ میں کیا بیٹی اک پلہ میں کیا ماں ہے

۳۔ محبوبِ خدا اٹھے تعظیم کو زہراؑ کی حواؑ کا شرف اپنی معراج پہ نازاں ہے

۴۔ تسبیح کا گیسو ہے جس شانے کا منت کش زہراؑ کے وضائف میں وہ اک پنجۂ جنباں ہے

۵۔ تطہیر کی چادر جو زہرہ بھی ہے عترت بھی سمٹے تو ہے اک نقطہ پھیلے تو قرآں ہے

۶۔ بیٹی کے لیے کب ہے تکریم محمدؐ کی شخصیتِ زہراؑ میں پیغمبرِ نسواں ہے

ان چھ اشعار کے بعد جو صفحات مجھے ملے ان پر تحریر ہے ''حسین بھائی نظر کی محفل سالانہ بسلسلہ تیسری شعبان نومبر ۶۶ (۱۹۶۶ء) یہ اشعار چند گھنٹوں میں کہے گئے چونکہ میں اک روز قبل تک ایک اہم طرحی مقاصدہ کی طرح میں مصروف تھا''

مطلع:- ۱ گو فکر منقبت میں تحریک ہے ولا کی لیکن ہے کارفرما ترغیب واہ واہ کی

۲۔ شاعر کو چاہئے کیا اندھے کو بس دو آنکھیں خون جگر کی قیمت اک داد نے ادا کی

۳۔ تحسین ناشناساں خاموشی سخند ان شاعر ہے اک سے خوش تو دوسرے سے شاکی

(گریز) ۴۔ تحسین کی طلب ہے تخلیق کا تقاضہ اے شاعرِ الست کیا تو نے ابتدا کی

(مدح) ۵۔ مطلع میں آب وگل کے نکھرا جو شعرِ آدمؑ جھک کر ملائکہ نے سجدوں سے داد دا کی

۶۔ مشہور کعبؔ کا ہے وہ لامیہ قصیدہ جس پر نبیؐ نے ان کو اپنی ردا عطا کی

۷۔ داد وصول تھی اور حسانؔ ابنِ ثابت اشعار میں جس اس نے کفار کی ہجا کی

۸۔شہ پارۂ ادب ہے وہ مدحتِ فرزدق بحرِ جنابِ عابدؑ جو اس نے برملا کی
(مطلع ثانی)۹۔اشکوں میں ڈھل رہے ہیں اشعارِ چشمِ باکی اور داد مل رہی ہے رومالِ فاطمہؑ کی
۱۰۔بحرِ عزائے شہؑ میں خوشیوں کا اک جزیرہ شعباں کی تیسری کو محفل شہِؑ ہدا کی
۱۱۔تابندہ وشگفتہ بزم ولا پہ قرباں پھولوں کی مسکراہٹ انجم کی تابکاری
۱۲۔فضہؑ منائیں چھٹی۔زہراؑ چلائیں چکی دیکھے ذرا یہ منظر آئینِ اشترا کی
۱۳۔ذبحِ عظیم تو ہی معراج ہے خودی کی خونِ ''من الحسینؑ'' رگ میں رواں انا کی
۱۴۔دو بیٹے سیدہؑ کے جنت کے سیدا ہیں تجنیسِ حرف دیکھو ان دونوں سیدا کی

ان چودہ اشعار کے بعد عاطف مہدی صاحب نے اس ڈائیری سے ایک اور قصیدہ عنایت کیا، مہدی ظہیر ضوکلیمی مرحوم نے تحریر کیا ''عزمؔ جونپوری کے ماقصدہ کی طرح'' مرا مولا حسین ابن علی ہے) دسمبر ۶۵ (۱۹۶۵) اس تحریر کے بعد نچلی سطر پر مصرعہ تحریر کیا (کہ جو ادراک لذت سے بری ہے) پھر تحریر کیا ''نمی ہے'' قصیدہ ملاحظہ فرمائیں

۱۔ہے ایوانِ ازل محفل سجی ہے کہ اجلاس میں حضورِ ایزدی ہے
۲۔یہ توفیق آزمائی کی گھڑی ہے کہ تفویضِ امانت ہو رہی ہے
۳۔ہر طرف فسوں خاموشی ہے سنو! آوازِ حق کیا کہہ رہی ہے
۴۔اٹھائے بارِ غم ایسا کوئی ہے کہا لبیک یوں انساں نے جی ہے
۵۔خلافت ارض کی مہنگی بڑی ہے کہ قیمت ابتلائے آدمی ہے
۶۔جو تحریکِ گنہ مفقود سی ہے ملک کی عصمت از بہ چادری ہے
۷۔منازل کچھ ہیں عبدیت کی ایسی الوہیت جہاں پر کانپ اٹھی ہے
۸۔برائے عظمتِ انساں ملک نے ضرورت سجدہ کی محسوس کی ہے
۹۔کہ شرح علم مالا تعلمون کی جب کسی کے خون سے لکھی گئی ہے
۱۰۔یہ بولیں رب کی معنی خیز نظریں فرشتو! دیکھتے ہو؟ یہ وہی ہے
۱۱۔جو فخر و نازِ نوعِ آدمی ہے ''میرا مولا حسینؑ ابنِ علیؑ ہے''

(ق)

۱۲۔جہاں سنگم نہیں اقرار و انکار وہ منزل شعر میں نازک بڑی ہے
۱۳۔خودی کی رٹ اثاثہ فکرِ اقبال فسونِ شعر کا جو سامری ہے
۱۴۔پڑھے شبیرؑ و بعیت کی لغت میں خودی کی جو کہ عظمت معنوی ہے
۱۵۔ہے اک گلنار افق وہ کربلا کی درخشندہ جہاں مہرِ خودی ہے
۱۶۔ہے اس میں پردہ ریگِ نینوا کا جہاں تمثیل کردارِ خودی ہے

۱۷۔ جو ہو من جملہ "من قال بیتا'' — طہارت ذہن کی وہ شاعری ہے

''م''/۲

۱۸۔ جو ہم تعداد معصومین کی ہے — وہ حسن ہندسہ اپنی صدی ہے

۱۹۔ عزا کا زخم تازہ آج بھی ہے — شہادت شہؑ کی جسے کل ہوئی ہے

۲۰۔ مہِ شعباں تیری عظمت کے صدقے — کہ تو ہی مولد ابنِ علیؑ ہے

۲۱۔ جبیں صلِّ علیٰ کے شادیانے — دوبارہ گود زہراؑ کی بھری ہے

۲۲۔ سرِ مژگاں ہیں تاباں قمقمے سے — شبستانِ ولا میں روشنی ہے

۲۳۔ جو ہو ذوق آشنائے لذّتِ غم — وہ دل شائستہ ولطفِ خوشی ہے

۲۴۔ سنور جا شبنمِ اشکِ تولاّ — کہ صبحِ یادِ سرورؑ آ رہی ہے

۲۵۔ نصیری گر نا بنتے درسِ عبرت — حسینیؑ شہ کو کہ دیتے نبی ہے

۲۶۔ کتاب وآلؑ دو ہم وزن پلّے — برابر جنسِ ایماں تل رہی ہے

۲۷۔ آئمہ ہیں اگر بارہ قوامی — ولایت ان میں اک حرفِ دوئی ہے

۲۸۔ ہر اک شہؑ پارۂ مدحت کو اے ضوؔ — بالآخر اعترافِ تشنگی ہے

اس قصیدہ کے بعد ایک قصیدہ اور میرے پاس ہے جس کی تشبیب میں ''گزرتا وقت'' کو موضوع بنایا گیا ہے مگر وہ تحریر اس طرح کی ہے کہ بعض مصرعوں کے آخری، یا ابتدائی الفاظ واضع نہیں دھندلے یا غائب ہیں پھر بھی جو اشعار سمجھ آئے ہیں پیش خدمت ہیں

۱۔ سدا رقصاں ہے گیتی آج۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔جائے — کہ اک لمحہ کو جیسے دوسرا لمحہ نگل جائے

۲۔ مژاں کا زیر و بم مقیاس ہے وقت گریزاں کی — پلک جھپکے تو پل جائے، کھلے جب آنکھ پل جائے

۳۔ وہی ساون وہی بھادوں، وہی دانا وہی مٹی — ہے فرق اتنا کہ ہر ہر فصل کا دہقاں بدل جائے

۴۔ ہوئی یوں منتقل میراث دہقان عمل برسوں — کہ اک کاندھے سے اٹھ کر دوسرے کاندھے پہ ہل جائے

۵۔ اگائیں مزرع تاریخ نے یوں ان گنت فصلیں — نیا اک پھول آئے جب پرانا ایک پھل جائے

۶۔ بہیمت کی منزل سے شعور آدمیت تک — مراحل تھے کہ حیواں شکل انساں میں بدل جائے

۷۔ مچلنا عقل کے گہوارہ میں عقل تجسس کا — یہ تھا وہ سخت جاں جو ایک گندم سے بہل جائے

۸۔ کبھی تو چاند سورج کے یہ تحفوں کو بھی ٹھکرا دے — کبھی وہ آبگینوں کے کھلونوں سے بہل جائے

۹۔ پھر اس پر بے اثر افہام اور تفہیم کی لوری — جو کیسے، اور کیوں کی ہٹ پہ یہ ناداں مچل جائے

یہ چند اشعار تشبیب کے جو پڑھنے میں جو شامل مضمون کر لئے یہ آخری قسط عاطف مہدی صاحب نے ۲۱ دسمبر ۲۰۲۳ء کو بھیجی آئندہ کوئی اور کلام ملا تو آئندہ قسط میں پیش کر دونگا۔

# محترمہ عابدالنسا کا غیر مطبوعہ مرثیہ

علی عرفان

''فروغِ مرثیہ'' کے تیسرے شمارے میں مولوی چراغ علی سراجؔ کی مرثیہ نگاری کے حوالے سے میرا ایک مضمون شائع ہوا تھا۔ عابدالنسا بیگم انہی کی صاحبزادی ہیں جو خود بھی شاعرہ تھی۔ سوانحی معلومات زیادہ نہ حاصل ہوسکیں سوا یہ کہ آپ مجسٹریٹ میر فضلِ علی زیدی مرحوم کی زوجہ تھیں اور احتمال یہ ہے کہ انھیں اپنے والد مولوی چراغ علی صاحب سے شرفِ تلمذ حاصل رہا۔ شاعری کے حوالے سے صرف ایک ہی مرثیہ درحالِ شہزادی سکینہؑ دستیاب ہوا ہے جس کے لیے میں جناب سیّد جعفر موسوی کا ممنون ہوں۔ یہ بینیہ مرثیہ ہے جس میں ۱۴ بند ہیں۔ مقطع نہیں ہے۔ ممکن ہے اپنے والد کی طرح یہ بھی رثائی کلام میں مقطع نہیں رکھتی تھیں۔

مرثیہ پیش ہے۔

بانوؑ کی آج کس لیے سنسان گود ہے — بچی کو کیا ہوا ارے ویران گود ہے
ماں سر جھکائے بیٹھی ہے ویران گود ہے (۱) بالی سکینہؑ مر گئی سنسان گود ہے
نازوں سے جو پلی تھی شہِؑ مشرقین کی
مٹی میں آج ملتی ہے بچّی حسینؑ کی

بانوؑ کے بین ہیں میری گودی اُجڑ گئی — باقی تھی شہؑ کی ایک نشانی کدھر گئی
یارب میں کیا کروں میری بچی بچھڑ گئی (۲) اماں کو روتے چھوڑ کے بیٹی کدھر گئی
آواز ایک بار تو ماں کو سُناؤ تم
بانوؑ جیے تو کیسے جیے یہ بتاؤ تم

ہے ہے جوان بیٹی کا سہرا نہ دیکھی میں — اصغرؑ کو ہائے گھٹنیوں چلتا نہ دیکھی میں
ارمان کوئی اپنا نکلتا نہ دیکھی میں (۳) تیرے بھی کوئی کاج کو ہوتا نہ دیکھی میں
وارث کا سایہ اُٹھ گیا بیٹوں کو کھوئی ہوں
باقی جو ایک بچّی تھی آج اُس کو کھوئی ہوں

تھی آرزو کہ تم کو میں پرواں چڑھاؤں گی — دلھن بنانے دھوم سے شادی رچاؤں گی
دِل کے تمام اپنے میں ارماں نکالوں گی (۴) یہ کیا خبر تھی خاک میں تجھ کو ملاؤں گی
میں بد نصیب رہ گئی رونے کے واسطے
تم جارہی ہو قبر میں سونے کے واسطے

سجادؑ بولے صبر کرو تم پہ میں فدا میّت اُٹھانے جھک گیا بیمار بے دوا
منھ رکھ کے منھ پہ بولا بہن تیرے میں فدا (۵) تجھ کو ملانے خاک میں سجاد رہ گیا
تھرائے ہاتھ اور مصیبت بپا ہوئی
میّت کا اُٹھنا تھا کہ قیامت بپا ہوئی

میّت نکل رہی ہے اندھیرا مکان ہے لائے چراغ کون پرایا مکان ہے
کُرتا کفن ہے پھول ہے نے سائبان ہے (۶) غربت کی موت ہے یہ یتیمی کی شان ہے
میّت بہن کی بھائی کے ہاتھوں پہ آتی ہے
ہے ہے سکینہؑ قبر میں سونے کو جاتی ہے

ماں سر کو پیٹ کر یہی کہتی ہے بار بار آہستہ لے کے جائیو بیٹا تیرے نثار
جاکر یہ پھر نہ آئے گی بابا کی سوگوار (۷) جی بھر کے دیکھ لینے دو پھر مجھ کو ایک بار
لوگو بتاؤ کیسے میں کفنانے دوں اِسے
ماں ہوں میں کیسے گاڑنے جانے دوں اِسے

بھائی کے ہاتھ ضعف سے جب تھرتھراتے ہیں ننھی سی لاش سینے سے لپٹائے جاتے ہیں
زنجیر جب اُلجھتی ہے گھبرائے جاتے ہیں (۸) صورت بہن کو دیکھتے ہی روتے جاتے ہیں
صدمے بہت اُٹھائی ہے بیٹی حسینؑ کی
گردن بھی ہے چھلی ہوئی اِس نورِ عین کی

پہلے پہل اُٹھایا ہوں میّت خدا گواہ زنجیر و طوق سے ہوئی حالت میری تباہ
مرقد کی تیرگی ہے کہ اللہ کی پناہ (۹) رکھوں میں کس طرح سے سکینہؑ کو آہ آہ
یارب نہیں تاب دلِ دردناک میں
کیونکر چھپاؤں ننھی سی بچّی کو خاک میں

عابدؑ نے دل کو تھام کے مرقد بنا لیا اور تھرتھراتے ہاتھوں سے میّت لِٹا دیا
آیا جو پیار گودی میں پھر اپنی لے لیا (۱۰) منھ چوما دیکھا یاس سے اور ہائے رو دیا
لپٹا کے ننھی لاش کو آنسو بہاتے ہیں
اِس بیکسی کو دیکھ کے درباں بھی روتے ہیں

آخر لٹایا قبر میں میّت بحالِ زار شانہ ہلا کے کہنے لگے رو کے بار بار
تاریکیٔ مزار سے ڈرنا نہ دِل فگار (۱۱) گودی سمجھ کے سوئیو ماں کی تیرے نثار
یہ کہہ کے مٹّی ڈالتے تھے منھ کو پھیر کر
اور فاتحہ بھی پڑھ کے اُٹھے تھام کر جگر

کہتے تھے ارضِ شام امانت سے ہوشیار نازوں کی ہے پلی ہوئی یہ شہؑ کی غمگسار
آئی ہے ماں کی گود سے تاریک ہے مزار (۱۲) ڈرتی بہت ہے اے زمیں ناداں سے ہوشیار
رہ اِس طرح سے میری سکینہؑ مزار میں
آئے نہ یاد باپ کا سینہ مزار میں

سر کو جھکا کے بیٹھ گیا شہؑ کا مہ لقا بانوؑ تڑپ کے کہنے لگی تجھ پہ میں فدا
بیٹا بتاؤ میری سکینہؑ کو کیا کیا (۱۳) بچّی میری کدھر گئی ڈھونڈوں کہاں میں آہ
گِر کر زمیں پہ کہتی ہے فریاد یا حسینؑ
بانوؑ غریب ہوگئی برباد یا حسینؑ

زندان سونا سونا ہوگئی ہے کیسی یہ رات ہے تنہا ہوئی ہے پہلے پہل بڑھتی رات ہے
چلّا رہی ہوں کب سے نہ کٹتی یہ رات ہے (۱۴) بچی کو ہائے قبر میں یہ پہلی رات ہے
بچّوں کو پالی ہائے لحد میں سُلانے کو
اور ماں بچاری رہ گئی آنسو بہانے کو

❁❁❁❁


# دبیرؔ کے مرثیے

(جلد پنجم)

شائع ہوگئی ہے

ترتیب وتدوین

اصغر مہدی اشعر

# سوخوانی کے مرثیے (غیر مطبوعہ)

## شگفتہ دلشاد

### مرثیہ درحال امام رضا علیہ السلام

رُخصت جہاں سے ہائے اِمامِ رضاؑ ہوئے ہم سے جُدا لو آج اِمامؑ ہُدیٰ ہوئے
عالم میں سوگوار یُوں اَہلِ عزا ہوئے (۱) نوحہ کناں نجف میں وَلیِ خُدا ہوئے
ماتم بپا ہے گریہ کُناں یہ فضائیں ہیں
وا غُربتا کی درد میں ڈُوبی صدائیں ہیں

زہرِ دغا سے زرد یہ چہرہ تمام ہے سم کے اثر سے کرب میں میرا اِمامؑ ہے
ٹکڑے جگر ہے درد میں عالی مقام ہے (۲) سجدے میں سر لبوں پہ خُدا کا کلام ہے
اللہ حق کے مونس و یاور کی خیر ہو
کاظمؑ کے نور عین دلاور کی خیر ہو

ہمشیر ہے سفر میں قضا تُو ذرا ٹھہر بے چین ہیں اِمامِ رضاؑ تُو ذرا ٹھہر
مُدّت ہوئی بہن ہے جُدا تُو ذرا ٹھہر (۳) بیمار ہے وہ بَہرِ خُدا تُو ذرا ٹھہر
بھائی کے واسطے یہ بہن دل ملول ہے
تنہا سفر میں اَے خُدا بِنتِ رسولؐ ہے

جسکی وجہ سے دِینِ خُدا کو بقا مِلی اُمّت سے اُسکو آج یہ کیسی سزا ملی
مظلومیت یہ ہے کہ بے جرم و خطا مِلی (۴) غُربت کی اِنتہا کہ کبھی نہ وفا مِلی
اُمّت نے مار ڈالا ہے کاظمؑ کے لال کو
صدمہ مِلا ہے پھر سے محمدؐ کی آل کو

وقتِ نزع ملے جو تقیؑ بابا جان سے بولے رضاؑ گزر گیا میں اِمتحان سے
بچھڑے تقیؑ ہیں آج لو اِک مہربان سے (۵) رُخصت ہوئے اِمامِ رضاؑ اِس جہان سے
ماتم جہاں میں آج غریبِ وطن کا ہے
نوحہ لبوں پہ اُجڑے ہوئے اِک چمن کا ہے

---

## مرثیہ درحال جنابِ فاطمہؑ

رُخصت جہاں سے جس گھڑی خَیرُالنسّا ہوئیں حیدرؑ کی بیٹیاں سبھی محوِ بُکا ہوئیں
رو کر یہ کہہ رہی تھیں کیوں ہم سے خفا ہوئیں (۶) کیا وقت آپڑا ہے کہ امّاں جدا ہوئیں
غم آپ کا ہے اور یہ قلبِ دونیم ہے
اماں جُدائی آپ کی صدمہ عظیم ہے

امّاں ہے بعد آپ کے ویران یہ جہاں اماں ہمیں یُوں چھوڑ کے جاتی ہو تم کہاں
شبیرؑ غم میں آپ کے ہوتے ہیں نیم جاں (۷) گلشن پہ بابا جان کے لو چھا گئی خزاں
اُجڑا نہ اس طرح سے کوئی گھر جہان میں
غم کا بسیرا ہوگیا امّاں مکان میں

کوہِ اَلَم ہے بچوں پہ دیکھیں گِرا ہوا دامن ہے آج اَشکوں سے سارا بھرا ہوا
پہلے تھا داغ دل پہ نبیؐ کا لگا ہوا (۸) جانے سے امّاں آپ کے صدمہ سِوا ہوا
بڑھ کر ہے دو جہان سے اُلفت یہ آپ کی
اماں بڑی ہی شاق ہے فُرقت یہ آپ کی

غسل و کفن جو دے چکے زہراؑ کو مرتضیٰؑ بچوں کو پاس اپنے بُلا کر یہی کہا
دنیا سے مُنتقل جو ہوا نُورِ فاطمہؑ (۹) اب زندگی میں کیا ہے بھلا درد کے سِوا
دیتیں تھیں جو دِلاسہ وہ دَم ساز مرگئیں
بچوں وہ مہربان وہ ہمراز مر گئیں

وَا غُربتا رسولؐ کی دُختر گزر گئیں زخموں سے چُور آج لحد میں اُتر گئیں
بابا کے غم میں ہو کے وہ غمگین مر گئیں (۱۰) شبیرؑ ڈھونڈتے ہیں کہ امّاں کِدھر گئیں
بیٹے سے اَب کہاں پہ مُلاقات ہووے گی
آئی صدا کہ جلد ہی سب بات ہووے گی

❁❁❁❁

## درحال مولا علی علیہ السلام

زخمی خدا کے گھر میں ولیِ خدا ہوئے سجدے میں تَر لہو سے ہیں لو مرتضیٰؑ ہوئے
نفسِ نبیؐ ہیں دینِ خدا پر فدا ہوئے (۱) آلِ نبیؐ کے درد ہیں پھر سے سِوا ہوئے
گھر سیدہؑ کا آہ اُجڑنے کے روز ہیں
بچوں سے مرتضیٰؑ کے بچھڑنے کے روز ہیں

اَے وا مصیبتا کہ جو تیغِ جفا چلی مہمان ایک روز کے دنیا میں ہیں علیؑ
سانسیں ہیں چند حیدرِ کرارؑ کی بچی (۲) بچوں سے مِل کے روتے ہیں اللہ کے ولی
غم میں علیؑ کے سارا زمانہ اداس ہے
آلِ نبیؐ کا سارا گھرانہ اداس ہے

زینبؑ یہ کہہ رہیں تھیں بصَد رنج اور فُغاں جاتے ہیں ہم کو چھوڑ کے غربت میں اب کہاں
بعد آپ کے ہے خاک ہمارے لیے جہاں (۳) لیتے ہیں آپ ہچکیاں جاتی ہے میری جاں
بیٹی کے بَین سُن کے تڑپتے تھے مرتضیٰؑ
شکوں سے رُخ کو اپنے بھگوتے تھے مرتضیٰؑ

کہتے تھے یہ علیؑ نہ یُوں دل کو دُکھاؤ تم صدموں سے چُور باپ کے اب پاس آؤ تم
اَرہتا ہے کون جگ میں سدا یہ بتاؤ تم (۴) بازو اَے جان باپ کو بیٹی دِکھاؤ تم
جس رات کربلا میں تُو پہرے پہ آئیگی
اُس رات مرتضیٰؑ کی سواری بھی آئیگی

چُومے جو بازو باپ نے زینبؑ کے غُل پڑا سب کا جو سائبان تھا دنیا سے وہ اُٹھا
نوحہ کناں جہان ہے یہ کیا غضب ہوا (۵) فرشِ عزائے غم بچھا ماتم ہوا بپا
ماتم کرو جہاں کے مددگار چل بسے
دینِ نبیؐ کے مونس و غمخوار چل بسے

❁❁❁❁

## درحال شہزادی زینبؑ

بَیتِ علیؑ میں آج ہے ماتم بپا ہوا زینبؑ جہاں سے چل بسیں غُل ہے مچا ہوا
اولادِ سیدہؑ کا ہے صدمہ سِوا ہوا (۱) سارا زمن ہے آج یہ محوِ بُکا ہوا
افسوس شاہِ دیں کی عزادار مر گئیں
بھائی کو روتے روتے وہ غمخوار مر گئیں

دل پر لیے ہزار وہ صدمے گزر گئیں وہ بانیِ عزا ہیں لحد میں اُتر گئیں
سہہ کر ستم جہان سے خستہ جگر گئیں (۲) ناناؐ سے ملنے آج وہ دیں کی سپَر گئیں
اشکوں سے تھا غریب کا چہرہ بھرا ہوا
چہرے پہ تھا حسینؑ کا نوحہ لکھا ہوا

ہائے دلِ بتولؑ پہ پیہَم وہ آفتیں کرب و بلا کے بَن میں بہَتّر شہادتیں
بعدِ حسینؑ بی بی سنبھالیں امانتیں (۳) کیا کیا گزر گئیں تھیں سفر میں قیامتیں

لیکن قدم ہٹے نہ کبھی حق کی راہ سے
اَیسے وفا نبھائی ہے بی بی نے شاہؑ سے

دیکھا تھا دل ملول نے بھائی کو بے کفن لمحے تھے وہ حزیں کے لیے حوصلہ شکن
اعدا کے درمیان تھی غازی کی جب بہن (۴) اَیسے میں بنتِ فاطمہؑ پہ وقت تھا کٹھن

مجلس بپا کی آپ نے ذکرِ حسینؑ کی
تشہیر کی ہے آپ نے فکرِ حسینؑ کی

رنج و محن کی ہائے وہ تصویر چل بسیں شَبَّرؑ کی اور حسینؑ کی ہمشیر چل بسیں
کرب و بلا کی آہ وہ تفسیر چل بسیں (۵) ماتم کرو کہ زینبِؑ دلگیر چل بسیں

فرشِ عزا بچھاؤ کہ روتی ہیں فاطمہؑ
بیٹی کے غم میں آج تڑپتی ہیں فاطمہؑ

❁❁❁❁

## مرثیہ درحال شہزادی فاطمہؑ

بعدِ رسول ہائے یہ اُمّت نے کیا کیا بنتِ نبیؐ بتولؑ کے دَر کو جلا دیا
بدر و اُحد کے زخموں کا بدلہ یُوں لے لیا (۱) معصومہ طاہرہؑ کو ہے زخمی کیا گیا

ہئے ہئے دلِ رسولؐ پہ کتنے ہوئے ستم
اُمّت سے پائے اَجر میں بس رنج اور الم

دیکھا حسنؑ نے ماں کو جو شعلوں کے درمیاں فرماتے تھے یہ رو کے گِرا کیوں نہ آسماں
اِس پر ستم کے دیکھے طماچوں کے بھی نشاں (۲) درد و الم بتولؑ کے چہرے سے تھے عیاں

رو کر وہ کہہ رہیں تھیں کہ بابا دُہائی ہے
بعد آپ کے ہماری یہ دشمن خُدائی ہے

تھرَّایا آسمان زمیں کو نہ تھا قرار ڈوبی ہوئی جو درد میں زہراؑ کی تھی پکار
فضہؑ خبر لو فاطمہ زہراؑ کی غم گسار (۳) حیدرؑ کو دو خبر کہ ہے زخمی یہ دل فِگار

مُجھ کو ستانے والے عدوئے قدیر ہیں
دَر کو جلانے والے یہ مُردہ ضمیر ہیں

اُمّت نے بابا جان کی جینا کیا محال بنتِ نبیؐ بتولؑ کا کیسا کیا یہ حال
زخموں سے چُور ہوگئیں زہراؑ سی خُوش خِصال (۴) محسنؑ جُدا ہوئے بہت یہ دل کو تھا ملال

امت نے ظلم ڈھائے ہیں بنتِ رسولؐ پر
مِل کر زمین و آسماں روئے بتولؑ پر

ماتم کرو کہ فاطمہ زہراؑ گزر گئیں دختر رسولِ حق کی لحد میں اُتر گئیں
زینبؑ تڑپ کے کہتی تھیں اماں کِدھر گئیں (۵) جاؤں گی میں وہیں میری مادر جِدھر گئیں
جانے سے فاطمہؑ کے علیؑ کو نہیں قرار
بچوں سے چُھپ کے روتے ہیں وہ شاہِ ذِی وقار

❁❁❁❁

## مرثیہ درحال شہزادی سکینہؑ

زنداں میں جب حسینؑ کی بیٹی گزر گئی کُرتا پھٹا وہ پہنے لحد میں اُتر گئی
روتی تھی جو حسینؑ کو بچی وہ مر گئی (۱) ماں ڈھونڈتی ہے میری سکینہؑ کدھر گئی
اَمّاں جیئے گی کس طرح تیرے بغیر جان
سُونا ہے تیرے جانے سے اَے جان یہ جہان

صدمے ہزار دل پہ تھے اُمِّ ربابؑ کے زنداں میں دن گزارے ہیں میں نے عذاب کے
دیکھا ہے ماں نے تجھ کو تڑپتے بِن آب کے (۲) محوِ خیال تھیں پسرِ بُوترابؑ کے
زخمی بدن تھا کُرتا تمھارا جلا ہوا
ملنے کو بابا آتے ہیں بولو تو کیا ہوا

روتی تھیں روز یا اَبَتاہ کی تھی بس پُکار زخموں سے چُور چُور تھیں اَے میری دِلفگار
بے چین اِس قدر تھیں کہ آتا نہ تھا قرار (۳) اُس پہ بھی ظلم ڈھاتے ہیں تُجھ پر ستم شعار
ہئے ہئے وہ بین بچی کے اَمّاں بچایئے
کس جا سکون پاؤں یہ مجھ کو بتایئے

لپٹیں جو سر سے باپ کے آیا تھا کچھ قرار بابا پہ ہو رہیں تھیں سکینہؑ ابھی نِثار
بابا کے گرد ننھے سے ہاتھوں کا تھا حصار (۴) کرتی تھیں میری لاڈلی شبیرؑ سے دُلار
یکدم یہ کیا ہوا ہے کہ خاموش ہوگئیں
لب رکھے سر پہ باپ کے اَے جان سوگئیں

گھبرا کے بولیں زینبِؑ مُضطر دُہائی ہے سجادؑ لو سکینہؑ کی ہوتی رہائی ہے
قسمت بھی میری جان نے یہ کیسی پائی ہے (۵) دفنانے کو فقط یہ تیرا قیدی بھائی ہے
زیرِ لحد ملے گی جو بھیا حُسینؑ سے
روئے گی اَب کبھی نہ یہ سوئے گی چین سے

❁❁❁❁

## مرثیہ درحال شہزادی فاطمہ صغراؑ

قصدِ سفر جو حضرتِ شبیرؑ نے کیا (۱) اِک بی بی رو کے کہتی تھیں اَے وا مُصیبتا
کیا وقت آگیا ہے یہ صغراؑ پہ اَے چچا جاتے ہیں چھوڑ کر مجھے یہ سب کہاں بھلا
یُوں چھوڑ کر مدینے میں تنہا نہ جایئے
بابا جیئے گی کس طرح صُغراؑ نہ جایئے

بابا بغیر آپ کے جینا ہے بس محال (۲) اماں نہ پاس ہونگی ہے دل کو یہی ملال
بابا یہ وقت نے چلی کیسی غضب کی چال جاتے ہیں دور اصغرؑ و اکبرؑ سے خوش مقال
بیمار کے مرنے کے کیا سامان ہوتے ہیں
بیٹی سے دور دِین کے سُلطان ہوتے ہیں

کچھ کم یہ درد ہوتا جو رہتی سکینہؑ پاس (۳) جانے سے اُس بہن کے مری ٹوٹتی ہے آس
جانے کا سب کے سُن کے میں بابا ہوئی اُداس رہنا ہے ساتھ آپ کے کرتی ہوں اِلتماس
خدمت کروں گی آپکی میں سارے راستے
راحت بنے گی بیٹی یہ بابا کے واسطے

روکر یہ لاڈلی سے شہِؑ دِین نے کہا (۴) نانا سے وعدہ جو کیا کرنا ہے وہ وفا
رونا نہیں ہے لاڈلی خوش رہنا تم صدا صغراؑ ضرور آئیں گے جو چاہے گا خدا
اماں سے آن کر ملو ہوتے ہیں ہم جُدا
بیٹی ہمارے بعد ہے حافظ تیرا خُدا

عاشور کی جو عصر کو صغراؑ کا خط مِلا (۵) آنکھوں سے خط کو شہؑ نے لگا کر یہی کہا
غُربت میں تیری طرح سے تنہا میں رہ گیا میرا بھی بھائی مر گیا تیرا بھی نہ رہا
اکبرؑ سا نوجوان ترا بھائی ہے کہاں
غربت پہ باپ کی تری روتا ہے آسماں

## مرثیہ درحال شہزادی خدیجہؑ

رحلت ہوئی جہان سے زَوجِ رسولؐ کی (۱) راہِ خدا میں جس نے قناعت قبول کی
اللہ اور نبیؐ کی رضا بھی وصول کی مجلس بپا ہے مومنو اُمِّ بتولؑ کی
مادر کے غم میں ہائے تڑپتی ہیں فاطمہؑ
مِل کر گلے رسولؐ سے روتی ہیں فاطمہؑ

صدمہ بڑا ہے روتے ہیں پیغمبرِؐ خدا (۲) تنہا ہوئے ہیں آج حقیقت میں مصطفےٰ
غمخوار دینِ حق کی ہوئیں دین پر فدا قربان سب کیا ہے سَرِ دِینِ کبریا
جبریلؑ لے کے خلد سے آئیں ہیں پیرہن
اور اک عبا رسولؐ کی تھی شاملِ کفن

یہ کمسنی بتولؑ کی ماں سے جدائی ہے
غم میں خدیجہؑ کے سبھی غمگیں خدائی ہے (۳)
زہراؑ کو چرخ نے گھڑی کیسی دکھائی ہے
سارے جہاں میں غم کی فضا آج چھائی ہے
یہ نوحہ تھا رسولؐ کا غمخوار چل بسیں
میری جہاں سے آج مددگار چل بسیں

گھاٹی میں تین سال کی بی بی صعوبتیں
نازوں پلی پہ گزریں واں کیا کیا قیامتیں (۴)
اہلِ ستم نے ڈھائی تھیں کیا کیا نہ آفتیں
بن کے سپر نبیؐ کی سنبھالیں امانتیں
جس نے نبیؐ کے دیں پہ کمائی لٹائی ہے
اس کی ہی آج ساری یہ دشمن خدائی ہے

حیدرؑ اَلَم کی تھے کوئی تصویر باخدا
سایہ اٹھا خدیجہؑ کا کوہِ اَلَم گرا (۵)
رو کر نبیؐ سے کہتے تھے اَے وا مصیبتا
پڑھتے ہیں مرثیہ یہی رو کر کے مرتضیٰؑ
خدمت گزار دیں کی جہاں سے گزر گئیں
مونس وہ مصطفیٰؐ کی لحد میں اتر گئیں

❁❁❁❁

## مرثیہ درحال امام جعفرِ صادقؑ

فرشِ عزا ہے مومنو عالی مقام کا
تابوت اُٹھ رہا ہے یہ صادقؑ امام کا (۱)
ماتم ہے دو جہان میں ذی احتشام کا
عالم میں سوگ آج ہے ذِی احترام کا
روتا ہے آسمان زمیں سوگوار ہے
کس حال میں یہ دین کا خدمت گزار ہے

واغربتا یہ آلِؑ نبیؐ پر قیامتیں
اس پر صِلے میں ڈھائی گئیں ہیں وہ آفتیں (۲)
دینِ خدا کی جس نے سنبھالیں امانتیں
کیا کیا سہیں نہ جعفرِ صادقؑ نے کلفتیں
پہلے تو اُس امامؑ کے گھر کو جلا دیا
اُس پر ستم کہ زہرِ دغا بھی پلا دیا

جس نے چراغ علم و ہنر کے جلائے ہیں
اُمت نے مصطفیٰؐ کی یہ کیا ظلم ڈھائے ہیں (۳)
بدلے میں اُس امامؑ نے بس رنج پائے ہیں
زہراؑ کو پھر رُلایا ہے کیا دن دکھائے ہیں
سم کے اثر سے زرد وہ چہرہ تمام ہے
روتی ہے آلؑ کرب میں میرا امامؑ ہے

کاظمؑ بھی رو رہے ہیں سبھی اشکبار ہیں
باقرؑ کے لال کو ملے صدمے ہزار ہیں (۴)
رنج و الم سے چُور شہِؑ ذی وقار ہیں
جور و جفا کا جعفرؑ صادق شکار ہیں
ہچکی وہ آخری تھی وہ سانسیں تھیں آخری
بیٹے سے باپ نے جو کیں باتیں تھیں آخری

گزرے جہاں سے علم کا جو آسمان تھے (۵) علم و ہنر کا آپ میں جو اِک جہان تھے
دنیائے بے ثبات میں حق کا نشان تھے دِینِ خدا کے اِبنِ نبیؐ ترجمان تھے
ماتم کرو کہ جعفرِ صادقؑ گزر گئے
شیعوں چھٹے اِمامؑ لحد میں اُتر گئے

## مرثیہ درحال امام محمد تقیؑ

عالم میں سوگ آج یہ اِبنِ رضاؑ کا ہے (۱) فرشِ عزا یہ ہائے دلِ مصطفیٰؐ کا ہے
ماتم بپا یہ مومنو عبدِ خدا کا ہے تابوت یہ امامِ تقیؑ بے خطا کا ہے
گریاں گناں بقیعہ میں بنتِ رسولؐ ہیں
زخموں سے چور چور لحد میں بتولؑ ہیں

دم سے تھی جس امامؑ کے عالم میں روشنی (۲) مولا تقیؑ سا کون تھا حاجت روا سخی
دامان خالی در سے نہ لے کر گیا کوئی کس حال میں یہ آج ہے اللہ کا ولی
پہلے ستم کے باپ سے مولا جدا ہوئے
پھر کمسنی میں دِینِ خدا پر فدا ہوئے

قیدی بنا کے دور وطن سے کیا گیا (۳) کیا کیا ستم اِمامِ تقیؑ نے نہیں سہا
شکرِ خدا ہی لب پہ رہا آپکے سدا غربت میں اِبنِ فاطمہؑ کو آگئی قضا
دِینِ خدا کے مونس و یاور نہیں رہے
جود و سخا کے آہ وہ پیکر نہیں رہے

اُمّت نے کیا یہ اجرِ رسالتؐ ادا کیا (۴) مارا رضاؑ کے لال کو بے جرم و بے خطا
کیسا غضب لعین نے کیا وا مصیبتا سم کے اثر سے زرد ہے وہ عبدِ باصفا
قیدِ ستم میں کی قضا میرے امامؑ نے
اُمت کو دی فقط دعا میرے امامؑ نے

روتی ہیں مل کے ساتھ زمیں اور آسماں (۵) روتی ہیں سر کو پیٹ کے مولا کی بیٹیاں
فرشِ عزا پہ گونجتی ہیں آہ و سسکیاں روتی ہوئی لو آگئی جنت سے ایک ماں
صدمہ بڑا عظیم ہے وہ بے قرار ہیں
مولا نقیؑ کے ساتھ سبھی اشکبار ہیں

## مرثیہ درحال جناب مسلم ابن عقیلؑ

لو مُسلمِ غریبؑ کا ماتم بپا ہوا (۱) اسلام پر عقیلؑ کا بیٹا فدا ہوا
شبیرؑ پر نثار وہ عبدِ خدا ہوا حق کا سفیر آج ہے ہم سے جدا ہوا
فرشِ عزا ہے شاہؑ کے یہ جانثار کا
ماتم بپا ہے دین کے خدمت گزار کا

تنہا لڑا تھا مُسلمؑ ذیجاہ پیاس میں قطرہ جو آب کا وہ نہ پاتا تھا پیاس میں
شبیرؑ کا خیال تھا واللہ پیاس میں (۲) نامِ حسینؑ لب پہ تھا ہرگاہ پیاس میں
کب مُسلمِ حسینؑ کو پانی کی پیاس تھی
اِبنِ علیؑ کی خیر ہو بس اک یہ آس تھی

آئیں تھیں رات خواب میں مُسلمؑ کے فاطمہؑ کہتی تھیں تجھ کو جام پلائیں گے مرتضیٰؑ
آئے گی ماں حسینؑ کی ملنے کو باصفا (۳) بِنتِ نبیؐ پہ تُونے ہے احساں بڑا کیا
پیاسا ہے تین روز سے پانی پلاؤں گی
مرنے سے پہلے تیرے سرہانے میں آؤں گی

قصرِ زیاد سے جو گرا صفدرِ حسینؑ زخموں سے چور چور تھا وہ گوہرِ حسینؑ
لیتا تھا سانس آخری وہ یاورِ حسینؑ (۴) روتی تھیں دل کو تھام کے واں خواہرِ حسینؑ
کوفہ کی سمت دیکھ کے روتے تھے شاہِؑ دیں
مُسلمؑ سلامِ آخری کہتے تھے شاہِؑ دیں

ٹوٹی تھیں جبکہ مُسلمِ سرورؑ کی پسلیاں جنت سے آئیں فاطمہؑ کرتی ہوئی فغاں
غربت پہ اُس غریب کے روتا تھا آسماں (۵) لاشے پہ بس تھیں فاطمہؑ مُسلِمؑ کے نوحہ خواں
نوحہ کناں تھیں فاطمہ مُسلِم کی لاش پر
پڑھتی تھی خاک مرثیہ مُسلِم کی لاش پر

## مرثیہ درحال امام محمد باقرؑ

ماتم جہاں میں آج یہ باقرؑ کا ہے بپا بیٹا جہاں سے زَینُ العِبّا کا چلا گیا
اَہلِ حرم میں شور ہے اَے وا مصیبتا (۱) گھر گھر میں ہے امامؑ کا فرشِ عزا بچھا
روضہ اداس آج ہے پھر سے رسولؐ کا
لُوٹا قضا نے آج ہے پھر گھر بتولؑ کا

جُود و سخا کا اِبنِ علیؑ آسمان تھے علم و ہنر کا آپ میں وہ اِک جہان تھے
دِینِ خدا کے اِبنِ علیؑ ترجمان تھے (۲) باطل کی موت آپ تھے حق کا نشان تھے
عالم میں آج دین کے یاور کا سوگ ہے
زہراؑ کے نورِ عین دِلاور کا سوگ ہے

کرب و بلا میں جس نے تھے رنج و الم اُٹھائے چھوٹے سے سن میں منہ پہ طمانچے تھے جس نے کھائے
پیاروں کے سر کٹے ہوئے دیکھے تھے ہائے ہائے (۳) قیدِ ستم کے درد نہ باقرؑ تھے بھول پائے
مجلس بپا کی مرثیہ پڑھتے رہے امامؑ
جب تک جیے حسینؑ پہ روتے رہے امامؑ

جس نے چراغِ علم جلائے ہیں بارہا (۴) اُمت سے اُس امام کو کیا اجر یہ مِلا
مِثلِ حسنؑ نواسے کو زہرِ ستم دیا مِثلِ حسینؑ دین پہ پوتا فِدا ہوا
کس حال میں امام جہاں سے گزر گئے
سہ کر ستم لعیں کے لحد میں اُتر گئے

ماتم کناں ہیں لاش پہ باقرؑ کی فاطمہؑ (۵) ماتم کرو جہان سے عبدِ خدا اُٹھا
خدمت گزارِ دیں کو دیا ہے یہ کیا صلہ روتی ہے سر کو پیٹ کے اولادِ باصفا
باقرؑ کے غم میں بنتِ نبیؐ سوگوار ہیں
جعفرؑ بھی ہیں اداس سبھی اشکبار ہیں

## مرثیہ درحال شہزادہ علی اکبرؑ

کہا کر سِناں پسر جو شہؑ دِین کا گرا (۱) محشر بپا ہوا تھا سرِ دَشتِ کربلا
دِینِ خدا پہ شاہؑ کا اکبرؑ فدا ہوا آئی صدا پسر کی سلام آخری مرا
نورِ نظر حسینؑ کی آنکھوں کا کھو گیا
دردِ جگر سِوا دلِ زہراؑ کا ہو گیا

کہتے تھے یہ حسینؑ تجھے ڈھونڈوں میں کہاں (۲) آتا نہیں نظر مجھے کچھ اے مرے جواں
سُن کر ترا سلام نکلتی ہے میری جاں غربت پہ میری دیکھ لو روتا ہے آسماں
اپنا پتہ تو اَے مرے دم ساز دو مجھے
پہنچوں میں لال تم تلک آواز دو مجھے

پہنچے جو پاس لاڈلے کے اِبنِ مرتضیٰؑ (۳) دیکھا لہولہان ہے مادر کا مَہ لقا
سینے میں چاند جیسے تھا نیزہ گڑا ہوا اِک ہاتھ اُس غریب کا سینے پہ تھا دَھرا
کہتے تھے یہ حسینؑ میں برچھی نکال دوں
آرام آ تجھے میں کچھ اے میرے لال دوں

رکھ کر سِناں پہ ہاتھ کہا یا علیؑ مدد (۴) آئیں مدد کو بَحرِ خدا یا علیؑ مدد
سُنتے تھے انبیا یہ صدا یا علیؑ مدد خیمے کے در پہ ماں نے کہا یا علیؑ مدد
برچھی کے سنگ ہائے کلیجہ نکل پڑا
سینے سے اُس جوان کے تھا خوں اُبل پڑا

لاشِ جواں کو کاندھے پہ ڈالے ہوئے حسینؑ (۵) اکبرؑ کو خیمہ گاہ میں لے کر چلے حسینؑ
ماں ساتھ ہے اے پیاس کے مارے مرے حسینؑ ماں کی صدا پہ دشت میں روتے رہے حسینؑ
غربت پہ اُس غریب کی روتا تھا آسماں
کرتی تھیں لیلیٰؑ لاش پہ بیٹے کی بس فغاں

# مرثیہ ایک انکشافی تجربہ

سحرش اجمل

مرثیہ سے میرا تعارف ایک انکشافی تجربہ تھا جس نے ادب کی اس معتبر صنف کے بارے میں میری لاعلمی کو نہ صرف ختم کیا بلکہ اس کو جاننے کی طلب پیدا کی۔ سچ کہوں تو میرے دل میں شیعہ عقیدہ اور شیعہ ادب کے لیے کچھ ایسے متشدد جذبات تھے کہ میں تاعمر اس عقیدہ سے تعلق رکھنے والے کسی بھی شخص سے بات تک نہ کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ اور یہ سب اُن سُنی سنائی باتوں پر مبنی تھا کہ جن کا ذکر بہت ہی تلخ ہے۔ اس واقعے سے پہلے میں نے یہ فرض کر لیا تھا کہ شیعہ عقیدے سے وابستہ واحد شاعرانہ روایت نوحہ ہے۔ ایک ایسی صنف جس کے بارے میں جاننے کی جستجو تو کہیں نہ کہیں موجود تھی میرے اندر مگر کبھی اس کو بہت گہرائی کے ساتھ درک کرنے کا وقت نہیں ملا۔ اپنی محدود سمجھ سے میں نے ماضی کے سانحات پر نوحہ خوانی کو محض افسوس اور ماتم کے اظہار کے طور پر لیا۔ مزید میں یہ سمجھتی تھی کہ اس ادب کا مطالعہ میرے عقیدے کے خلاف ہے۔ لیکن میرا یہ انکشافی تجربہ مجھے مرثیہ کی مذہبی اصل اور ادبی اہمیت کی طرف لے گیا۔ ایک ایسی صنف جس نے صدیوں سے دلوں اور دماغوں کو مسحور کر رکھا ہے۔

پہلا مرثیہ جسے پڑھنے کا مجھے موقعہ ملا وہ عادلؔ مختار کے ادبی شاہکار ''رثائے عصر'' کا پہلا مرثیہ ''خامہ بدوش'' تھا۔ چھ مرثیوں پر مبنی اس ادبی شاہکار نے نہ صرف میری موجودہ معلومات کو چیلنج کیا بلکہ اس عظیم آرٹ کے بارے میں اپنی سوچ کا از سرِ نو جائزہ لینے کا مجھے موقع فراہم کیا۔ عادلؔ مختار کا مرثیہ ایک فکری مرثیہ کے جوہر لیے ہوئے تھا۔ وہ ایک ایسا اسلوب تھا جس نے مجھ میں مخفی اس فن کو جاننے کی خواہش کو بیدار کیا۔ مرثیہ کے بغور مطالعہ سے مجھے اندازہ ہوا کہ اس صنف سے متعلق میری سوچ محدود اور گمراہ تھی چنانچہ میں نے مزید اس فن کے بارے میں دریافت کرنا شروع کیا اور حال ہی میں میر انیسؔ اور جوشؔ ملیح آبادی کے ادبی اور فکری مرثیوں کا مطالعہ کیا۔ اس کے علاوہ چند مجالس میں عصرِ حاضر کے شعرا، جن میں محمد علی ظاہرؔ کا نام قابلِ ذکر ہے، کا کلام سننے کا شرف حاصل ہوا۔ اور ان تمام اسباب کی وساطت سے میری جستجو نے میرے لیے فکر کے نئے دروازے کھولے۔

انگریزی ادب کی طالبہ ہونے کی وجہ سے رزمیہ سے میرا تعارف بہت پہلے سے تھا۔ ہومر، جان ملٹن، جان کیٹس کی تخلیقات اور پھر ''بیوولف'' ایسی نظم ان سب نے مجھے بہادری، مہم جوئی اور ثقافتوں کے ارتقاء جیسے عظیم موضوعات سے متعارف کروایا۔ تاہم، یہ اساطیر اگرچہ اثر انگیز ہیں مگر بلآخر افسانوی ہیں۔ دوسری جانب مرثیہ کو ادب میں اس سبب سے امتیازی حیثیت حاصل ہے کہ اس کی جڑیں تاریخ کے ایسے

دل دہلا دینے والے سانحے میں موجود ہیں جس میں رسول اللہ ﷺ کے خاندان کے معصوم افراد پر ڈھائے جانے والے بے لگام ظلم کا ذکر ہے۔ مرثیے کے ذریعے تاریخ کے اس دردناک باب کے مطالعہ نے میرے ذہن میں بے شمار سوالوں کو جنم دیا۔ جیسے کہ امام حسین علیہ السلام نے ان تمام معاملات سے دور رہنے کا فیصلہ کیوں نہیں کیا؟ انہوں نے کربلا میں اپنی اور اپنے خاندان کی شہادت کو کیوں چنا؟ امامؑ ہونے کے ناطے وہ جانتے تھے کہ اگر اس راستے کا انتخاب کیا تو اسکا انجام کیا ہوگا۔ پھر وہ پیچھے کیوں نہیں ہٹے؟ وغیرہ وغیرہ۔ ان سب سوالات کے جوابات نے میری آنکھیں کھول دیں۔ اس احساس نے مرثیہ کے متعلق میری سوچ کو یکسر بدل دیا۔ میں نے اسے نہ صرف اظہارِ غم بلکہ قارئین کو اسلام کی بقاء کے لیے تاریخ کی برگزیدہ ترین ہستیوں یعنی اہل بیت علیہ السلام کی قربانیوں کا اعتراف کرنے اور بنی نوع انسان کو اس عظیم مقصد کی خدمت میں اپنا فرض پورا کرنے کی ترغیب دینے کے لیے ایک طاقتور ذریعہ تسلیم کیا۔ مرثیہ امامت کے بارے میں یہ سوچنے پہ مجبور کرتا ہے کہ رسول خدا ﷺ نے اپنے بعد اُمّت کو اس کے حال پر نہیں چھوڑا بلکہ اپنے بعد امامت کا مکمل منصوبہ دیا جو امیر المؤمنین امام علی علیہ السلام سے شروع ہو کر عصر حاضر کے امام، امام مہدی علیہ السلام پر ختم ہوتا ہے۔ اس عقیدے کے بارے میں جاننا میرے لیے ایک حقیقتاً انکشاف تھا۔ ایک ایسا انکشاف جس نے میرے تمام ابہام کو دور کر دیا۔ میں مرثیے کی لکھنے والی نہیں محض پڑھنے والی ہوں مگر اس بات کا شدید احساس ہوتا ہے کہ مرثیہ ایک زندہ ادب ہے جو فکر و دانش کے نئے سے نئے زاویوں کو اجاگر کرتا رہتا ہے۔

❁❁❁❁


کُلّیاتِ صغیر سونوی

زیرِ طبع

ترتیب و تدوین

اصغر مہدی اشعر

مونسؔ کے مرثیے

(جلد ۱۔ ۳)

زیرِ طبع

ترتیب و تدوین

اصغر مہدی اشعر

فرہنگِ انیسؔ و دبیرؔ

زیرِ طبع

ترتیب و تدوین

اصغر مہدی اشعر